17

[illegible]

[illegible]

محقق بے بدل عالیجناب پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب دوبے ایم اے ایل ایل بی

مصنف جونپور کا عالمانہ

بصیرت افروز

فیصلہ

جو کہ موصوف نے

سنی و شیعان جونپور کے مقدمہ کے متعلق صادر فرمایا

جس کو

سید مشیر حسین صاحب چلکانوی اورسیر پوسٹ آفسز

نے

برائے آگاہی و استفادہ عوام

باہتمام حسینی مشن سہارنپور شائع کرایا

(قومی پریس سہارنپور میں چھپا)

گذارش

فیصلہ ہذا کی طباعت سے کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہیں ہے۔ لہذا جن بیرونی حضرات کو اس فیصلہ کے مطالعہ کی ضرورت ہو، وہ حسب ذیل پتہ پر صرف تین پیسے کا ٹکٹ بغرض صرفہ ڈاک بھیجکر مفت طلب فرما سکتے ہیں۔ مقامی حضرات اس خرچ سے مستثنیٰ ہیں۔



پتہ

تاج العلماء مولانا مولوی محمد نقی صاحب

محلہ انصاریان سہانپور (یو۔پی)

ترجمہ نقل تجویز انگریزی مقدمہ استقرار حق شیعان جونپور

بعدالت جناب پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب دوبے بہادر ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی منصف جونپور
مقدمہ نمبر ۵۶۵ سنہ ۱۹۳۶ء سید محمد علی وغیرہ مدعیان بنام مولوی علی حسن وغیرہ مدعا علیہم
تجویز مجوزہ پنڈت ٹھاکر پرشاد صاحب دوبے بہادر ایم۔ اے۔ ایل ایل بی منصف جونپور بتاریخ
۲۰ر جولائی سنہ ۱۹۳۸ء

تجویز:- یہ ایک بہت مشہور مقدمہ ہے جو کہ شیعہ اور سنی کے باہمی سخت ترین تنازعات اور بدترین بددلی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے شیعہ اور سنی ضلع کی مسلم آبادی کے دو بڑے فرقے ہیں اور ان دونوں سے مسلسل نقض امن عامہ سرزد ہوتا رہا ہے اور حال ہی میں ایک نہایت سخت اور اہم بلوہ بھی ہوا ہے۔ اس مقدمہ میں شیعان جونپور مدعی اور مدعا علیہ سنیان جونپور ہیں

مدعی کا دعویٰ ہے کہ وہ باشندگان جونپور ہیں اور مذہب شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کا اصول خاصکر اہلبیت کی انتہائی محبت و عزت کرنا ہے (اہلبیت سے خاندان رسالت اور خصوصاً حضرت علی اور ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں) یہ ان کے اعتقاد کا خاص جزو ہے کہ امام حسین کا اسلامی حق خلافت ظالمانہ اور غاصبانہ طور پر نہیں مانا گیا۔ اور یزید نے جو بنی امیہ کے خاندان سے تھا غصب کر لیا اور حضرت حسین کا قتل کربلا کی لڑائی میں اتنا نامنصفانہ اور وحشیانہ تھا کہ تاریخ اسلام میں اسکی نظیر نہیں ہے۔ اسوجہ سے دنیا کے ہر حصہ میں جہاں یہ لوگ رہتے ہیں یا ان کی آبادی کا بڑا فرد ہے صدیوں سے امام حسین کی شہادت کی یادگار مناتے ہیں اور یہی لوگ عرصہ دراز سے جونپور میں بھی کرتے چلے آرہے ہیں۔ انکا خاص معاملہ یہاں پر یہ ہے کہ ۱۹ر صفر کو ہر سال وہ امام باڑہ اسلام سے ایک جلوس نکالتے ہیں جو جونپور کے شاہراہ عام سے ہوتا ہوا ایک گلی کو جسکا نام قاضی کی گلی ہے پار کر کے ایک مقام پہ جو صدر امام باڑہ سے منسوب ہے آتے ہیں۔ پرانی رسم کی تقلید میں یہ لوگ اس قسم کے تعزیہ کا جلوس مع نوحہ و ماتم اٹھاتے ہیں جسمیں کہ تاشہ و طبل بھی ہوتا ہے۔ اور اس کے درمیان میں

امام حسین کی شہادت اور مصائب پر اور اُن نقصانات پر جو کہ اسلامی دنیا کو اُن کی شہادت سے پہونچے ہیں، اُن کے قاتلوں پر اور خاصکر عمر ابن سعد و حرملہ و سنان و یزید و شیث و شمر اور خولی پر لعنت بھیجتے ہیں اور سنی عام طور سے شیعوں کے اس مذہبی کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اُن کے جائز حقوق کا انکار کرتے ہیں اسوجہ سے مدعیان حسب ذیل عرض پرداز ہیں کہ شیعوں کے حق میں اس بات کی ڈگری دیدی جائے کہ وہ اپنے مذہبی جلوس کو تاشہ و طبل بجاتے ہوئے اور امام حسین کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرتے ہوئے اور مندرجہ بالا سات آدمیوں پر لعنت بھیجتے ہوئے جونپور کے ہر شاہراہ عام سے اور قاضی کی گلی سے لیجا سکیں۔ مدعا علیہم مدعیان کے اِن قانونی حقوق کو جو کہ انہوں نے اپنے دعوی میں طلب کئے ہیں مندرجہ ذیل وجوہات پر جو اُن کے بیان تحریری میں ہیں انکار کرتے ہیں

(۱) شیعہ جبکہ اپنے جلوس کو لیجاتے ہیں تو وہ خفیہ طور سے پہلے تین خلیفوں پر جنکو خلفاء ثلاثہ کہتے ہیں لعنت کرتے ہیں جو خلاف قانون ہے اور اسی وجہ سے مقامی حکام مدعیان کے حقوق پر قیود عائد کرتے چلے آئے ہیں اور یہ مدعیان کا غلط بیان ہے کہ وہ جلوس لیجاتے وقت امام حسین کے قاتلوں پر تبرا اور لعنت کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خلفاء ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں اور اس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں:

(۲) مندرجہ بالا ساتوں اشخاص پر بھی لعنت کرنا بُرا ہے کیونکہ ان میں سے عمر ابن سعد رسالتماب کا عزیز تھا اور شمر حضرت علی کا سالا ہوتا ہے اور بقیہ تمام مسلمان تھے۔ اسوجہ سے انکا نام لے کر لعنت بھیجنا جرم ہے اور قانوناً اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لعنت کا کہنا جسکو تبرا کہتے ہیں اسکو مدعیان تاشہ اور طبل کی آواز کے ساتھ کہتے ہیں جس سے کہ ان کی آوازیں اس میں دب جاتی ہیں اور دوسروں کے لئے ناقابل سماعت ہو جاتی ہیں۔ شیعوں کا یہ کام خلاف قانون ہے اسوجہ سے مقامی حکام مدعیان کے جلوس پر قیود عائد کرتے ہیں

(۳) مدعا علیہم مدعیان کے حقوق کے لئے مداخلت نہیں کرتے اور نہ وہ مقامی حکام شیعوں کے خلاف اس بارے میں کوئی کارروائی کرنے کے لئے رجوع کرتے ہیں۔ اسوجہ سے مدعیان کو مدعا علیہم کے خلاف بنائے مخاصمت کرنیکی کوئی وجہ نہیں ہے:

(۴) مزید برآں جونپور میں مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جو کہ ان ساتوں آدمیوں کو جنکا ذکر مدعیان نے کیا ہے اپنا پیشوا مانتے ہیں اس لئے ان اشخاص پر لعنت کہنے سے نقض امن کا اندیشہ ہے

(۵) ان سب کے علاوہ تعزیہ داری - رونا - ماتم کرنا خود مذہب شیعہ کے ہی خلاف ہے۔ اسوجہ سے ان کا کوئی حق دینا نہیں چاہئے (۶) سکریٹری آف اسٹیٹ آف انڈیا کا بھی فریق مقدمہ ہونا ضروری ہے (۷) مدعاعلیہم کی آخری استدعا یہ ہے کہ (ڈگری کا دینا) عدالت کی جوڈیشل رائے پر منحصر ہے اور جس حق کی درخواست کی گئی ہے اس سے نقض امن عامہ کا اندیشہ ہے (اسوجہ سے) عدالت کو ایسا استقرار نامنظور کر دینا چاہئے۔ بہرنوع اس مقدمہ میں مذکورہ ذیل تنقیحات قابل غور ہیں

تنقیحات :- (۱) کیا مدعیان کو مجاز ہے کہ وہ اپنے مذہبی جلوس کو جسکا کہ ذکر عرضی دعوی میں کیا ہے نکال سکتے ہیں (۲) آیا مدعیان کے اس طریقہ سے جلوس نکالنے پر مدعاعلیہم کو کوئی اعتراض کرنیکا قانونی حق ہے :- (۳) آیا سکریٹری آف اسٹیٹس آف انڈیا ایک فریق ہے ہے اگر ہے تو مقدمہ پر اسکا کیا اثر ہوتا ہے (۴) آیا مدعیان کو کوئی بنائے مخاصمت اس مقدمہ کے لئے ہے یا نہیں (۵) اگر کوئی حق ہے تو مدعیان کس حق کے پانیکے مجاز ہیں -

تجویز

تنقیحات ۱ و ۲ - اس مقدمہ میں فریقین کے اختلافات اور اصل معاملہ کے متعلق ان کے نظریوں کو صحیح طور پر معلوم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تاریخ اسلام کا وہ حصہ جہاں پر انکی اصلیت اور ان دونوں فرقوں کے اختلافات مندرج ہیں بہت مختصر طور پر بیان کی جاتی ہیں

دونوں فریق جناب رسالتمآب محمد پر اور ان کے مواعظ اور احکامات پر پختہ اعتقاد رکھتے ہیں اور اسکا اعلان کرتے ہیں - اسیطرح دونوں کا پختہ اعتقاد قرآن پر بھی ہے - رسالتمآب کے انتقال کے وقت تک وہ اسلام جسکی تبلیغ رسول نے کی تھی اس کے سچے معتقدین میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد محقق ترین سوال جو کہ اسلامی دنیا کے سامنے آیا وہ ان کے جانشین کا تقرر تھا جو کہ خلیفہ یا سلطنت اسلام کا مذہبی سیاسی سردار کہا جانیوالا تھا اپنی وفات کے بعد نبی نے اپنی بیوہ حضرت عائشہ اور اپنے محبوب ترین بھائی و داماد حضرت علی کو

جن کی شادی رسالتمآبؐ کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی اور اپنے دونواسوں حسنؑ اور حسینؑ کو جو کہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے بیٹے تھے چھوڑا۔ اِن کے علاوہ اہلبیت میں سے آپؐ کے انتقال کے بعد کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ مسٹر ازملڈ نے بمبئی ہائیکورٹ کے ایک اہم خوجہ کیس میں تجویز میں تحریر کیا ہے کہ اسلام کی عام توقع تھی کہ حضرت علی جو کہ نبی کے شاگردِ اولین اور محبوب صحابی اور اُن کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ کے شوہر تھے پہلے خلیفہ ہوں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جناب رسالتمآبؐ کی نوجوان اور محبوب بی بی عائشہ نے جو کہ علی و فاطمہ کی لاگی دشمن تھیں اپنے باپ جناب ابوبکر کا اپنے اثر سے انتخاب کرا دیا۔ وہ (حضرت علی) مستحق تھے کہ ان پر پورا اعتقاد رکھا جائے کیونکہ وہ اپنے زمانہ کے بہادر ترین ہستیوں کے مقابلہ سے بالاتر تھے۔ اتنا بہادر، عقلمند، عالی ہمت، منصف صاحب ایثار کہ تاریخ میں کوئی اور ہستی بہت مشکل سے ان پر سبقت لیجا سکتی ہے۔ ایک ایسا تھ نبی خدا کی اکلوتی بیٹی کے شوہر اور اُن کے دونوں صاحبزادے حسنؑ اور حسینؑ ناناکی محبوب ترین ہستیاں جو کہ مجمع عام میں سیدہ شباب اہل الجنۃ کا خطاب پائے ہوئے تھے اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت علی اُن آدمیوں میں سے تھے جنھوں نے کہ رسول کی تمام زندگی میں ہر اس کام میں جنکو کہ رسول نے کیا یا کرنا چاہتے تھے ساتھ دیا۔ جیسا کہ مجھکو مسلم اور غیر مسلم تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؑ رسالتمآب کے ناگزیر ساتھی تھے۔ اپنے معاملات میں رسالتمآبؐ کے ساتھ ان کا وہی انداز تھا جو باسول کا جانسن کے ساتھ۔ یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رسالتمآبؐ کی طاقت کو مخصوص مستحکم کرنیوالے تھے۔ کونسل چیمبر میں عقلمند اور میدانِ جنگ میں بہادر سپاہی تھے۔ انہیں کی تلوار سے خندق۔ احد۔ بدر اور خیبر کی اہم فتوحات ہوئیں۔ اگر یہ فتوحات نہ ہوتیں تو جناب رسالتمآب کی تبلیغ (مشن) بالکل ابتدا ہی میں پامال ہو جاتی اور دنیا سے ایسی اصلاح جو تاریخ انسانیت میں بے مثال تھی ضائع ہو جاتی۔ جناب رسالتمآب کی دنیاوی طاقت حضرت علی کے مستحکم کرنیکی بدولت اس قابل ہوئی کہ اسلام کا پیام حالتِ طفولیت میں دیا جائے۔ اس وجہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اسلام کی امارت کے لئے

سب سے زیادہ مستحق اور سب سے زیادہ مستحق تھے۔ رسالتماب سے خاندانی تعلقات کی بنا پر بھی اور اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے بھی وہ رسالتماب کے مخلص ترین دوست اور ساتھی تھے۔ شیعہ اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ اگر صاف اور کھلا ہوا انتخاب ہوتا تو حضرت علی جیت گئے ہوتے۔
دوسری وجہ ان کے استحقاق خلافت کی یہ ہے کہ خود نبی نے اپنی دوران زندگی میں دنیا کے سامنے کھلے بندوں حضرت علی کی جانشینی کے متعلق اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ میں ذیل کی عبارت ہسٹری آف محمڈن ایمپائر (صفحہ ۱۱) مصنفہ میجر براؤس سے نقل کرتا ہوں: "مکہ سے آنے کے وقت اس موقعہ پر رسول اللہ کے افعال سے حضرت علی کی نسبت ایسے اشارہ اخذ ہوتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ حضرت علی کو کم از کم اس (روحانی) عزت و فخر کا جانشین کرنا چاہتے تھے جو ان کے (رسول) کے تابعین کے دلوں میں تھی۔ خواہ وہ دنیاوی طاقتوں کی تمام عزتوں میں وہ جانشین نہ کر سکیں۔"

واقعہ غدیر اور حضرت علی کا استحقاق خلافت:۔ اپنے سفر کی ایک منزل اختتام پر غدیر خم کے موقعہ پر درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے پالان شتر سے ایک ممبر بنوایا اور مجمع کو جمع کیا۔ جناب رسالتماب داہنی طرف حضرت علی کو لئے ہوئے ممبر پر تشریف لے گئے اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا .... تب انھوں نے کہنا شروع کیا کہ ہر اس شخص کو جن کے نزدیک میں محبوب ہوں علی ابن ابیطالب کو ویسا ہی سمجھنا چاہئے۔ تب انھوں نے حضرت علی کو ممبر پر بلند کرنے کے لئے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور ایسا ہو نیمیں حضرت نے اپنے پیروں رسالتماب کے گھٹنوں پر رکھ دیا۔ پھر (آپ نے) خطبہ میں رسالتماب نے یہ فرمایا کہ اس بڑے مجمع میں جو لوگ کہ مجھکو اپنا بادشاہ اور مالک تسلیم کرتے ہیں ویسا ہی حضرت علی کے بارے میں بھی بلا پس و پیش خیال کریں۔ اس کے بعد انھوں نے خود خدا سے محب علی کو دوست

ف ۱۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کا منشا حضرت علی کو روحانی و سیاسی دونوں سرداری کا جانشین بنانا مقصود تھا۔ لیکن اگر لوگ ان کی عزت سیاسی معاملات میں پوری طور پر نہ کریں تو کم از کم روحانی سرداری کی عزت حضرت علی سے وابستہ رہے۔

رکھنے اور ان لوگوں سے جو علی کے دشمن تھے ہمیشگی کی دشمنی رکھنے کی پرخلوص دعا کی۔ اس کے
بعد رسالتمآب اپنے خیمہ میں تشریف لیگئے اور حضرت علی کو اس خیمہ میں جانیکی ہدایت کر گئے جہاں پر
کہ تمام مجمع خلافت کی اس عام اور مبارک نامزدگی پر مبارکباد دینے کے لئے جمع ہوا تھا۔ ہمکو
یہ نوٹ کرنا ہے کہ میجر پرائس تاریخ اسلام کے ابتدائی زمانہ کے مشہور و مستند مصنف ہیں
اس سند سے حضرت علی کا تخت خلافت کا استحقاق بہت بلند ہو جاتا ہے اور محفوظ بنیادوں
پر آجاتا ہے۔ حضرت علی کی بدقسمتی یہ تھی کہ وہ اپنے عادات میں بہت سادہ تھے اطوار میں
خودنمائی نہ تھی اور وہ اپنے حقوق پر اڑے نہ تھے۔ رسالتمآب کے انتقال کے بعد حضرت
علی ان کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے اور اسی دوران میں عائشہ نے رسالتمآب کی محبوب
بیوہ کی حیثیت سے پورے اثر سے کام لیا اور اسوقت اپنے باپ کے انتخاب کو محفوظ
کر لیا۔ ان کی دوسری بدقسمتی حضرت عائشہ کی ناخوشی کا برانگیختہ کرنا تھا۔ حضرت عائشہ اس
وقت خاندان رسالت میں نمایاں فرد تھیں اور ان کا اثر اور دباؤ جناب رسالتمآب پر خصوصا
ان کے اخیر زمانہ میں بہت تھا جبکہ عائشہ کی وفاداری جناب رسالتمآب کی نسبت مشتبہ
ہو گئی تھی۔ یہ وہ علی، حضرت عائشہ کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہ انھوں نے کسی اور وجہ سے
نہیں کیا، سوائے اس کے وہ جناب رسالتمآب کی حتی الامکان خدمت کرنا چاہتے تھے
حضرت عائشہ نے اس دشمنی کو اپنے دل میں رکھا اور جب موقع آیا تو انھوں نے اپنا پورا اقتدار
حضرت علی کے خلاف صرف کر کے ان کو معزول کر دیا۔ اور اپنے باپ حضرت ابو بکر کا جو کہ اسوقت
با اثر آدمی تھے تخت خلافت کے لئے انتخاب کرا لیا۔ اور اس صورت سے حضرت علی کے
تمام حقوق کو پامال کر دیا۔ جناب رسالتمآب اور ان کے اسلام کے نہایت ہی وفادار معتقدین
نے اس ناانصافی کی زحمتوں کو سختی سے برداشت کیا۔ اس گروہ کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ
حضرت علی ہی ایسے شخص ہیں جو خلافت پانے کے مستحق ہیں اور یہی وہ آدمی ہیں جنکا اعتقاد
ہے کہ یہ حضرت علی کا پیدائشی حق ہے اور ان کی اولاد کو اسلام کی مذہبی اور سیاسی سرداری
پر فائز ہونا چاہئے تھا۔ اور تینوں خلفا ابو بکر، عمر، عثمان حق خلافت کے غاصب سمجھے اور
وہ سب حضرت علی کی جائز وراثت کے چھیننے کے مجرم تھے اور یہی فرقہ تھا جو کہ بعد میں شیعہ

یعنی دوست یا ساتھی کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ شیعہ اس وجہ سے رسولؐ کے اہلبیت یعنی علیؑ اور ان کے صاحبزادے حسنؑ اور حسینؑ اور جناب رسالتمآبؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ کے پیرو ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جس نے حضرت علیؑ کے حق کو وجوہات مذکورہ سے نہیں مانا اور اپنے خلیفہ کے انتخاب کو الیکشن کے اصول پر رکھا بعد میں اہل سنت یا سُنی کے نام سے موسوم ہوا۔

چوتھی خلافت کے بعد حضرت علیؑ کے مخالفین کا زور۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمان کے انتقال کے بعد جب حضرت علیؑ کا حق پورے طور پر مان لیا گیا اور وہ تخت خلافت پر بیٹھے لیکن ان کے مخالفین کا زور برابر کار فرما رہا۔ اہلبیت کے خاص دشمن بنی امیہ تھے جو کہ عرب کے قبیلہ قریش کی ایک شاخ تھے اور جنکا مخصوص سرغنہ ایک شخص ابوسفیان تھا۔ یہ جناب محمدؐ اور ان کے مشن کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا اور وہ اشاعت تبلیغ اسلام اور دنیاوی طاقت کے حصول کے ہر موقع پر جان توڑ کر لڑا۔ اور جب جناب رسالتمآبؐ کی دینی و دنیوی طاقتیں ناقابل شکست اور مقابلہ سے بالاتر ہو گئیں تو ابوسفیان نے اور ان کے خاندان نے کافی برخاستہ دلی سے اسلام قبول کر لیا مگر جب رسالتمآبؐ اور ان کے اسلام کے خلاف بغض و حسد کی آگ اب تک ان کے دلوں میں سلگی ہوئی تھی حالانکہ وہ کافی طور سے دبا دی گئی تھی۔ معاویہ اسی ابوسفیان کے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت علیؑ کے درپے آزار تھے۔ اور آخر کار حضرت علی نہایت ہی مکارانہ چالوں کیساتھ قتل کرا دیئے گئے۔ یہ معاویہ بہت طاقتور آدمی تھے اور انہوں نے حضرت علی ہی کی زندگی میں سلطنت اسلامی کا ایک حصہ حاصل کر لیا تھا۔ بہر حال حضرت علی کو امن و امان کے ساتھ حکومت نہیں کرنے دی۔ اور جبکہ معاویہ حضرت عائشہ کی مدد سے حضرت علی سے لڑ رہے تھے تو موخر الذکر (حضرت علی) کو ایک مسلمان باغی نے مسجد کوفہ میں جو کہ دریائے فرات کے مغرب میں ایک شہر ہے قتل کر ڈالا۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسنؑ ان کی جانشینی کے مستحق ہوئے جیسا کہ مسٹر آرنلڈ کی تحقیق ہے کہ حسن جو کہ عابد اور پرہیزگار تھے اور اپنے باپ کی موت پر ملول و غمگین تھے۔ اپنے سلطنت کی بدالستی

فی کو ایک بڑے سالانہ خراج کے عوض میں معاویہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا اور اپنی بقیہ زندگی میں اس رقم کو مدینہ میں مذہبی اور خیراتی کاموں میں صرف کرتے رہے۔

سنہ ۶۶۹ء میں نبی خدا کے اس بیگناہ اور نمازی نواسہ کو ان کی بیوی سے زہر دلوایا گیا جسکو معاویہ کے لڑکے یزید نے جو کہ دمشق کا دوسرا اُمیہ خلیفہ ہوا ایسا جرم کرنے پر رشوت دیکر تیار کیا تھا۔ اب رسول اللہ کے گھرانے کے سردار صرف حسین رہ گئے۔ یہ علی و فاطمہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے جو کہ بہادر اور شریف تھے اور جنمیں آنکے باپ کی بہت کچھ اسپرٹ موجود تھی۔ معاویہ نے اپنے مرنے سے قبل یزید کو اپنا جانشین نامزد کیا اور یہ انہوں نے اس صلحنامہ کے شرائط کے بالکل برعکس کیا جو اُن کے اور امام حسن کے درمیان میں ہوا تھا کہ معاویہ کے مرنے کے بعد امام حسن یا امام حسین خلیفہ ہوں گے تھوڑے عرصہ کے بعد معاویہ کا انتقال ہوگیا اور یزید اپنے باپ کے تخت پر بطور محض استحقاقی وراثت کی بناپر بیٹھا۔ معاویہ کا اپنے لڑکے کو امارت اور خلافت کے لئے نامزد کرنا خلفاء کی غیر منصفانہ جانشینی تھی۔ اسوجہ سے یزید کی جانشینی بالکل ابتداء ہی ناجائز تھی۔ یہ یزید جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے ابوسفیان کا پوتا تھا جب سے کہ حضرت علی نے خلافت کا ایک حصہ معاویہ کو دیا اسوقت سے تاریخ اسلام میں خاندان بنی امیہ میں معاویہ اور انکا باپ ابوسفیان جو کہ اسلام اور رسول کے سخت ترین دشمن تھے شامل تھے ان بنی امیہ نے اپنی پوری سلطنت شام میں قائم کرلی اور اسکا دارالسلطنت دمشق قرار دیا۔ انہوں نے ایکدوسرے قسم کے اسلام کی تبلیغ کرنی شروع کردی اور اس طرح سے رسالتمآب کے مذہب کو کچل ڈالنے کی کوشش کی۔ اسطرح سے اسوقت دمشق میں مصنوعی مذہب اسلام خلفاء امیہ کے زیر حمایت سکھایا جارہا تھا۔ لیکن مدینہ میں ابھی تک حقیقی اسلام کی آخری شعاع اہلبیت کے دوستداروں کے زیر حمایت زندہ تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ ایک اہم موقع تھا جسمیں سے مذہب رسالتمآب کو گذرنا تھا۔ اگر معاویہ اور اسکا خاندان مدینہ میں اہلبیت کی طاقت اور اسپرٹ کو پامال کردینے میں کامیاب ہوگیا ہوتا تو آج کے دن اسلام کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی اور بہت

ممکن ہے کہ رسالتمآب کے اسلام کو پامال ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہوتا۔ بنی اُمیہ کے خاندان کے لوگ جنھوں نے اِس غیر مطمئن زمانہ میں بہت اہم کام کئے۔ رسول کے دشمن ہوتے ہوئے خراب چال چلن کے آدمی تھے۔ جیسا کہ گبن نے اپنی ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے۔ سوائے اہل شام کے خلفاء بنی امیہ پبلک کے ہر دلعزیز نہیں رہے۔ جناب رسالتمآب کی زندگی شاہد ہے کہ اُن میں بُت پرستی کا استقلال بغاوت قبول اسلام میں برخاستہ دلی تھی۔ اور ان کا عروج فرقہ وارانہ جنگ سے ہوا۔ انھوں نے اپنے تخت کو عرب کے سب سے زیادہ پاک اور شریف خون سے مستحکم کیا۔ بالکل غیر جانبدار انگریز مصنفین مثلاً پرائس گبن اور گلمین نے معاویہ اور یزید کی سخت ترین الفاظ میں برائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ مصنفہ مسٹر پرائس صفحہ ۲۸۰ اور ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر مصنفہ گلمین صفحہ ۱۹۰ اور اے شارٹ ہسٹری آف سیرسین جسٹس امیر علی صفحہ ۸۱ کو معاویہ اور یزید کے تمام طرز عمل اور تمام کام نہایت ہی غیر اسلامی بالکل ناجائز اور اخلاق سے گرے ہوئے تھے اور اسکا اقبال معاویہ نے خود جبکہ وہ بستر مرگ پر پڑے ہوئے تھے کیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ انھوں نے روز قیامت کی جزا و سزا کا خیال کیا ہو۔

معاویہ اور یزید کا طرز عمل غیر اسلامی تھا۔ میں اِس بارے میں میجر پرائس کی کتاب کے حوالے سے تحریر کرتا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے اپنے وزراء کے سامنے مرنے کے قبل اقبال کیا کہ میرے لئے تین چیزیں باعث ندامت ہیں۔ اوّل حوصلہ مندی کی اسپرٹ سے اپنے کو گمراہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ سے نبی کے پاک خاندان کو اُن کے حقوق سے محروم کر دیا۔ دوسرے امام حسن کی بیوی کو اپنے خاوند کے زہر دینے کے لئے ملایا۔ تیسرے یزید کو قبل از وقت نامزد کر دیا۔ ہسٹری آف محمڈن ایمپائر مصنفہ پرائس جلد اوّل صفحہ ۳۸۹ اپنے مرنے سے قبل کسی وقت انھوں نے اپنے لڑکے کو بہت سی باتوں سے متنبہ اور ہشیار کیا۔ میجر پرائس تحریر کرتے ہیں کہ اپنے

دوران بیماری میں اس نے اپنے جانشین یزید کو اور نصیحتوں کے ساتھ ساتھ کہا کہ ہر انسانی حفظ ما تقدم کے لیے سلطنت جو تیرے ہاتھ میں دی ہے اسکی نسبت جب میں مر جاؤنگا تو چار آدمی باقی رہیں گے جن سے تجھ کو مقابلہ کرنا پڑیگا۔ یہ حسینؑ۔ عبداللہ بن عمر۔ عبدالرحمٰن۔ اور عبداللہ بن زبیر ہیں۔ یہ تجھکو مناسب ہوگا کہ یہ خیال رکھیو کہ حسینؑ نبی کے نواسے ہیں اور ہم نے ان سے سلطنت چھینی ہے اور جو کچھ کہ اس وقت ہمارے پاس ہے انکا ہی تھا۔ اس لئے ان پر جب تو فتح پائے تو ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرنا۔ یہ شہادتیں معاویہ کے خود اقبال سے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے استحقاق کے بارے میں اور اپنے مذموم حرکتوں کے متعلق ہیں۔ یہ یزید اپنے باپ سے بدتر تھا۔ یہ یزید ہی تھا جو واقعہ کربلا کا ذمہ دار تھا۔ یہ حادثہ تاریخ کا بدترین واقعہ ہے کہ جب یزید اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت پر بیٹھا تو اس نے پوری طور سے محسوس کیا کہ اسکا عروج اسلامی دنیا کی رضامندی پر نہیں ہے اور خلفاء کے انتخاب کے اصول پر بھی جو کہ ابتک مروج رہا ہے نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ ہر سچے مسلمان کا دل نبی کے نواسے امام حسینؑ کی طرف لگا ہے اور وہ محسوس کرتا تھا کہ امام حسینؑ کی زندگی میں اسکا پوزیشن غیر محفوظ ہے اسوجہ سے اس نے ان پر فتح پانیکی کوشش کی کہ یا تو اپنی سرداری ان سے منوائے یا ان کو قتل کرے۔ اسوجہ سے اس نے امام حسینؑ سے بیعت لینے کے لئے اپنے آدمیوں کو بھیجا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یزید اسوقت اسلامی دنیا کا محض سیاسی بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ اپنے اس کفر کا محافظ اور مبلغ بھی تھا جو کہ اس کے باپ معاویہ نے نئے اسلام کے لباس میں دمشق میں جاری کیا تھا۔

امام حسینؑ نے کیوں بیعت یزید گوارا نہ کی۔ امام حسینؑ نے محسوس کیا کہ اسلام کے ہر قابل غور اصول سے سلطنت ان کی ہی تھی اور ان کا حق مادی طاقتوں سے سب سے زیادہ نالائق آدمی نے چھینا تھا۔ انھوں نے اسکا بھی احساس کیا کہ یزید کے پاس عہدۂ خلافت رہنے سے سب سے بڑا حادثہ یہ ہوگا کہ نبی کا اسلام

ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیگا۔ اور کفر جس کے اکھاڑنے کے لیے جناب رسالتمآب نے کوشش کی تھی مگر پھر دوبارہ اسلام کے بھیس میں جسکو کہ یزید بیٹھائے ہوئے اور قائم کئے ہوئے ہے عروج پائیگا خاندان علی نبی کے اسلام کا ہمیشہ سے امین تھا۔ اس لئے امام حسین اپنے نانا کے دین کی تباہی کو برداشت نہ کرسکے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یزید کی بیعت کو قبول کرنے سے یزید کی ماتحتی بہ حیثیت دنیاوی بادشاہ کے ہی نہیں ہے (اس سے بیعت سے) اسلام کی پاک امانت کا بھی انکار تھا جس کے کہ اب وہی واحد آخری امین تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے یزید کی بیعت کا انکار کردیا حضرت علی نے اپنے زمانہ حکومت میں کوفہ کو جو کہ عراق کا ایک بہت مشہور شہر تھا اور دریائے فرات کے کنارے بابل سے بہت نزدیک اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ کوفی قدرتاً علی کے فدائی تھے۔ وہ یزید کی غاصبانہ خلافت سے متنفر تھے اور وہ اس کے بجائے امام حسین کو چاہتے تھے۔ انھوں نے امام حسین کے پاس اپنے درمیان بلانے کے لئے بیشمار خط بھیجے اور یزید کے خلاف لڑائی میں پوری پوری مدد دینے کا وعدہ کیا۔ امام حسین کے بہت سے دوستوں نے ان کو کوفیوں پر بھروسہ نہ کرنیکی ترغیب دی کیونکہ وہ لوگ بہت بے ثبات تھے اور ثابت قدمی اور استقلال کی ان میں کمی تھی۔ حسین نے ان دوستانہ مشوروں کا خیال نہ کیا انکا دماغ دوسری ہی طرف رجوع تھا۔ ان کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ کیا ہونیوالا ہے ان کو اپنے نانا کے دین کے تحفظ کا احساس تھا اور یہ یقین تھا کہ وہ اسکو کسی نہ کسی طرح اپنی شہادت سے پورا کریں گے۔ کیونکہ ان کو اس اصول کا یقین تھا کہ شہید کا خون مذہب کی بنیاد ہوتی ہے۔ اس کے بعد واقعہ کربلا ہوا اور یہی واقعہ ہے جو کہ اس مقدمہ کی بنائے مخاصمت ہے میں اس واقعہ کو ایڈورڈ گبن کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں جس کو انھوں نے اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۱ میں درج کیا ہے "خاندان ہاشم کی سرداری اور رسول اللہ کا متبرک چال چلن ان کی شخصیت میں مجتمع تھے یزید کے خلاف ان کو اپنا مقصد پورا کرنے کی آزادی تھی جو کہ دمشق کا حاکم تھا اور جس کی برائیوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جسکا خطاب (استحقاق خلافت) انھوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ خفیہ طور پر ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمانوں کی فہرست کوفہ سے مدینہ بھیجی گئی۔ جنھوں نے ان کی نصرت کرنیکا وعدہ کرلیا تھا اور وہ لوگ متمنی تھے کہ جیسے ہی وہ (امام حسین) دریائے فرات کے کنارے آئیں اپنی تلواریں کھینچ لیں۔ اپنے عقلمند ترین دوستوں کی رائے

کے خلاف انھوں (امام حسین) نے اپنی ہستی اور اپنے خاندان کو اس بے وفا قوم کے حوالہ کرنیکا ارادہ کرلیا۔ انھوں نے عورتوں اور بچوں کے قافلہ کیساتھ عرب کے ریگستانوں کو طے کیا۔ لیکن جیسے ہی عراق کے حدود میں پہونچے تو وہ ملک کی ویرانی اور دشمنی کی صورت سے آگاہ ہوئے اور ان کو اپنی جماعت کے ارتداد یا تباہی کا خوف ہوا۔ انکا خوف بالکل درست تھا۔ عبیداللہ نے جو کہ کوفہ کا گورنر تھا خروج کی پہلی چنگاریوں کو بجھادیا اور امام حسین کا پانچہزار سواروں سے کربلا کے میدان میں محاصرہ کرلیا اور ان لوگوں نے (امام حسین) دریا اور شہر کے تعلقات کو منقطع کر دیا۔ وہ (امام حسین) اب بھی ریگستان کے کسی قلعہ میں بھاگ کر جا سکتے تھے۔ جس نے زار اور خسرو کی طاقت پسپا کر دی تھی اور قبیلہ طے کی وفاداری پر بھروسہ کر سکتے تھے جو کہ ان کی مخالفت کے لئے دس ہزار جانفروش مسلح کر دیتے۔ دشمن کی فوج کے سردار سے ایک گفتگو میں امام حسین نے تین باعزت شرائط پیش کیں (۱) ان کو مدینہ جانیکی اجازت دی جائے یا ترکوں کے خلاف کسی سرحدی چھاؤنی پر بھیجدیا جائے یا یزید کے سامنے لیجایا جاوے۔ لیکن خلیفہ کا کمانڈر یا اسکا لفٹیننٹ سخت اور مختار کل تھا۔ امام حسین کو اطلاع دی گئی کہ وہ یا اپنے آپ کو بطور قیدی اور مجرم کے امیر المومنین یزید کے حوالہ کر دیں یا اپنی بغاوت کا نتیجہ دیکھیں۔ انہوں نے جوابدیا کہ تم مجھکو موت سے ڈرانیکا خیال کرتے ہو اور ایک رات کے قلیل عرصہ میں انہوں نے خاموش اور سنجیدہ توکل کیساتھ اپنی قسمت کا مقابلہ کرنے کے لئے خود کو مستعد کیا۔ امام حسین نے اپنی بہن زینب کی گریہ وزاری کو روکا جو کہ ان کے خاندان کے عنقریب آنیوالی تباہی پر آنسو بہا رہی تھیں۔ امام حسین نے کہا ہمارا اعتقاد صرف خدا پر ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں فنا ہو جائینگی اور اپنے پیدا کرنیوالے کی حضور میں حاضر ہونگی۔

میرے بھائی میرے والد میری ماں مجھ سے بہتر تھے اور ہر مسلمان کے لئے جناب رسالتمآب ایک مثال ہیں۔ امام حسین نے اپنے دوستوں پر زور دیا کہ فرار ہو کر جان بچالیں۔ لیکن ان لوگوں نے بالاتفاق اپنے محبوب آقا کو چھوڑنے یا ان کے بعد زندہ رہنے سے انکار کر دیا
یوم قتل کی صبح کو امام حسین ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قران لے کر پشت مرکب پر

سوار ہوئے۔ ان کے صاحب ہمت شہیدوں کے گروہ میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل تھے۔ ان کے یمین و یسار و عقب خیمہ کی طنابوں اور ایک گہری خندق سے محفوظ تھے۔ دشمن کی فوج پیدل سے آگے بڑھی اور انکا ایک سردار مع تیس ساتھیوں کے برحق موت میں حصہ بانٹنے کو ان سے علیحدہ ہو گیا۔ گھمسان کی کے حملوں میں یا تنہا لڑائی میں فاطمیوں کی عالی ہمتی ناقابل فتح تھی لیکن محاصرہ کرنے والا گروہ فاصلہ سے تیروں کی بوچھار کرتا تھا جس سے گھوڑے اور انسان باری باری مارے گئے۔ جانبین نے نماز کی ادائیگی کے لئے مہلت لی۔ آخر کار حسینؑ کے آخری رفیق کی شہادت سے لڑائی ختم ہوئی۔ تنہا زخمی اور ماندہ ہو کر امام حسین اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی آپ نے ایک قطرہ پانی زبان پر رکھا آپکا دہن اقدس ایک تیر سے زخمی ہوا اور آپ کے صاحبزادے اور بھتیجے جو دو خوبصورت بچے تھے آپ کی گود میں شہید ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے ...... وہ خون سے بھرے ہوئے تھے ..... اور زندہ اور مردوں کے لئے دعائے خیر کی۔ پریشانی اور مایوسی کے عالم میں امام حسین کی بہن خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے سپہ سالار سے ملتجی ہوئیں کہ اپنے سامنے امام حسین کو شہید نہ ہونے دیں۔ اس شریف آدمی کی بھی داڑھی سے آنسو بہ نکلے اور جب قریب المرگ ہیرو ان پر (دشمن کی فوج) حملہ آور ہوا تو اس کے بہادر ترین سپاہی بھی ہر طرف بھاگ نکلے۔ بے رحم شمر لعین نے جس سے کہ مومنین نفرت کرتے ہیں اس بزدلی پر ان کی ملامت کی اور امام حسین کو نیزہ و تلوار کے ۳۳ زخموں سے شہید کر دیا۔ ان کی لاش کو پامال کرنے کے بعد ان کے سر کو کوفہ کے قلعہ میں لے گئے اور سنگدل عبید اللہ نے چھڑی سے اس سر کے منہ پر مارا۔ ایک بوڑھے مسلمان نے کہا کہ میں نے انہیں ہونٹوں پر رسول اللہ کے لب ہائے اقدس دیکھے ہیں۔ اس کے بعد وہاں سے امام حسین کا سر یزید کے سامنے لیجایا گیا۔

میجر پرائس نے اس سلسلہ میں اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۸ میں حسب ذیل تحریر کیا ہے۔ اسی دوران میں گورنر عبید اللہ ہاتھوں میں چھڑی لئے ہوئے امام حسینؑ کے سر پر جو اس کے سامنے رکھا ہوا تھا مار کر خوش ہو رہا تھا۔ اور نہایت ہی توہین و استہزا کر کے خلاف انسانیت فتح

کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ امام حسینؑ کا سر کوفہ کے تمام بازار و منبر تشہیر کرنیکے بعد دمشق میں یزید کے پاس بھیجدیا گیا تاکہ اسکو معلوم ہو جائے کہ اس کی مکمل فتح ہو گئی اور اسوقت یہ نیا فاتح یزید ان سخت خونی واقعات کی خبر سنکر ڈر یا افسوس کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ اسوقت وہ کوفہ کے نمائندہ کا سا برتاؤ اپنے بدقسمت حریف کے سر کے ساتھ کرنے سے باز نہ رہ سکا یعنی سر کے ہونٹوں اور دانتوں پر اپنے کوڑے سے مارتا تھا۔ انہیں وحشیانہ دلبستگیوں میں ایک شخص ابوبرزہ نے ان خرافات کے خلاف مخالفت کی اور ردوکد کی کہ ان ہونٹوں کیساتھ تو ایسی وحشیانہ توہین کرتا ہے جن کو رسولؐ نے بارہا بوسوں سے سرفراز کیا ہے۔ اس خلاف توقع اور دلیرانہ نکتہ چینی پر یزید نے ابوبرزہ کے سینہ پر ضرب لگائی۔" اس طرح سے تاریخ عرب کی عابد ترین ہستی (امام حسینؑ) کی زندگی اور قصۂ زندگانی تمام ہوا۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود امام حسینؑ کی شخصیت زمانہ قدیم کے آسمان پر مثل ستارۂ درخشاں کے ہے اور صبح اسلام و شروع اسلام امیر جنس انسانی کو بے مثال فائدہ پہونچانیوالی ہستی ہے۔ انہوں نے صرف ۷۲ آدمی سے جنمیں کہ آپ کے خاندان کی عورتیں اور بچے بھی شامل تھے بائیس ہزار فوج کا مقابلہ کیا اور اسی سبب کے لئے دیدہ و دانستہ شہادت اختیار کی جس کی کہ ہر مسلمان کو عزت کرنی چاہئے۔ ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک قضائے الٰہی میں ان کا ایمان ناقابل شکست تھا جبکہ انکا گلا شمر کے خنجر کے نیچے تھا تو ان کے آخری الفاظ یہ تھے کہ وہی ہوگا جو مشیت الٰہی میں ہے۔ حضرت عیسیٰ نے بھی جبکہ ان کو صلیب دیجا رہی تھی چلا کر کہا کہ یا اللہ تو مجھ کو بھول گیا ہے۔ سقراط نے جب زہر ہلاہل کا پیالہ پیا تو وہ بھی اپنے نزدیک عورتوں کی گریہ وزاری کو برداشت نہ کر سکا اور ان کو اپنے سامنے سے بجبر ہٹوا دیا حسینؑ تمام دنیا کے بڑے سے بڑے شہیدوں کے مقابلہ میں بالاتر ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ایک شیعہ کو اسطرح کے حادثہ کا انتہائی غم و افسوس ہونا چاہیے کیونکہ آپ ان کے پیشوا ہیں اور تمامی اسلامی دنیا کو اسکا احساس بھی ہے کیونکہ انہوں نے اسلام کے لئے ایسی سچی اسلامی بہادری کی مثال قائم کر دی ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے کسی حصہ میں نظر نہیں آتی۔ ہم میں سے ان لوگوں کے سامنے جن کا مذہب شیعہ یا اسلام پر اعتقاد نہیں ہے جب یہ واقعہ ہیبت ناک تفصیلوں کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے تو ان سے بھی آنسوؤں کی روانی بدقت تمام

رکھتی ہے جیسا کہ گبن نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ میں تحریر کیا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کی بیکسی کا منظر زمانہ بعید میں اور دور دراز ملک میں بھی نہایت ہی سرد مہر انسان کا بھی قلب ہلا سکتا ہے۔

جلوس تعزیہ کی ابتداء - تاریخ اسلام کا یہی وہ حصہ ہے جس سے زمین کے ہر حصہ میں جہاں جہاں شیعہ رہتے ہیں جلوس تعزیہ کی بنا ڈالتا ہے۔ تعزیہ محض روضہ کربلا کی نقل ہے اور کچھ نہیں اور اسی کو یہ لوگ شہر اور قصبوں کی سڑکوں اور گلیوں میں گشت کراتے ہیں اور ساتھ ساتھ مرثیے پڑھتے جاتے ہیں جن میں امام حسینؑ اور ان کی عورتوں اور بچوں کی شہادت کے تفصیلی واقعات درج ہوتے ہیں۔ وہ روتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو ان لوگوں کے مظالم پر جو کہ ان مصائب کے ذمہ دار تھے ان پر نہایت ہی زوردار الفاظ میں جو کہ ان کو مل سکتے ہیں لعنت کرتے ہیں۔ خود سُنی بھی امام حسینؑ کی بڑی عزت کرتے ہیں اور وہ بھی یزید پر اور اس کے ان آدمیوں پر جنھوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا لعنت بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں میں ایک فرقہ ہے جو کہ ناصبی کہلاتا ہے اور وہ حقیقت میں امیہ اور اس کی اولاد کے پیرو ہیں جنھوں نے اہلبیت یا آل رسول سے جنگ کی یہی فرقہ ہے جو کچھ دلائل کے اظہار کے ساتھ امام حسینؑ کی شہادت کی رسومات کے خلاف اعتراض کر سکتا ہے۔ یہ فرقہ عملی طور پر قابل لحاظ نہیں ہے اور ان اطراف میں ان لوگوں کے بارے میں نہیں سنا جاتا۔ میں ذیل میں ان کے اعتراضات بیان کرونگا۔ اس کے متعلق سب سے زیادہ اہم پائنٹ یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آیا شیعہ طبل بجاتے ہوئے نوحہ و ماتم کے ساتھ اور خصوصاً قاتلان حسینؑ پر لعن کہتے ہوئے اپنے جلوس کو شاہراہ عام پر لیجا سکتے ہیں یا نہیں جلوس مذہبی نکالنے کا حق ہے۔ مقدمہ کے اس حصہ پر پہنچکر میں خیال کرتا ہوں کہ مدعا علیہم کی شہادتوں اور ہر لفظ کو صحیح مانتے ہوئے بھی مدعا علیہم کا معاملہ قانون کے معقول اصول پر قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ نزاعی حکام بالا نے فیصل کر دیا ہے۔ پریوی کونسل کے جج صاحبان نے منظور حسن بنام محمد زمان کے مشہور مقدمہ (۲۳ الہ آباد لا جرنل ۹۷) میں تمام معقول دلائل کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ شہریوں کے ہر طبقہ کو

اپنے مذہبی جلوس مناسب مذہبی رسومات کے ساتھ بادشاہ کے ہر شاہراہ عام پر نکالنے کا حق حاصل ہے۔ رپورٹ کے صفحہ ۱۸ پر جج صاحبان حسب ذیل تحریر کرتے ہیں۔ جج صاحبان کے نزدیک مستند فیصلہ کے لئے ہندوستان میں شاہراہ عام پر مذہبی جلوس نکالنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان میں مانے ہوئے مذہب اور ان کی مذہبی رسومات یقیناً متضاد ہیں پہلا سوال یہ ہے کہ آیا شاہراہ عام پر کسی مذہبی جلوس کو معہ مذہبی رواسم کے نکالنے کا حق ہے یا نہیں۔ جج صاحبان کے نزدیک اس کا جواب اثبات میں ہے۔ ایسا ہی وہ بھی مقدمہ شیعہ اور سنیوں کا تھا۔ شہر اورنگ آباد میں شیعہ اپنے جلوس کو حسنؑ اور حسینؑ کی شہادت کے متعلق بہت سے علم اور رواسم کے ساتھ نکالتے تھے۔ ان کا جلوس شاہراہِ عام پر نوحہ و ماتم کے لئے مختلف مقامات پر رکتا تھا۔ سنیوں نے اس جلوس کے اس مقام پر جو ان کی مسجد کے نزدیک تھا رکنے پر اعتراض کیا کہ مسجد میں نماز پڑھنے میں خلل ہوتا ہے۔ پریوی کونسل کے جج صاحبان کی رائے اس مقدمہ میں یہ تھی کہ شیعوں کو اپنے جلوس نکالنے کا اور نوحہ ماتم کرنے کا اور جلوس کے ساتھ مذہبی رسومات کے ادا کرنے کا قانونی حق حاصل ہے۔ بہر حال انہوں نے شیعوں کے موافق ان کے حقوق کی بجا آوری کا زیر ماتحتی احکام پولیس و حکام ضلع فیصلہ دیا کہ وہ قانون کے ماتحت قیام امن اور رفع فساد کے لئے قیود لگانے کے مجاز ہیں۔ انہوں نے مدراس کے تین مقدموں کی تقلید کی ہے (۵ مدراس ۴۰۲، ۶ مدراس ۲۰۳، ۲۶ مدراس ۳۷۵) مقدمہ ۶ مدراس ۲۰۳ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جج صاحبان نے پوری طور پر واضح کر دیا ہے کہ حکام اور پولیس کے احکامات قانون حقوق کے تحفظ اور ان کی بجا آوری کے لئے ہونے چاہئیں اور اس کے برعکس احکامات بوقت ضرورت جب انتظام ناکافی ہو نافذ ہو سکتے ہیں۔ اس مقدمہ میں جج صاحبان نے صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ مجسٹریٹ کے احکامات شیعوں کے قانونی حق کی بجا آوری کی مزاحمت میں خاص ضرورت کے وقت ہی نافذ ہوں گے۔ اور ان کی منشا ان کے قانونی استحقاق کے فیصلہ نہ سمجھے جاویں گے۔ مدعا علیہم کا اصلی جھگڑا یہ ہے کہ تعزیوں کا لیجانا اور ان پر

نوحہ و ماتم کرنا اور زیر بحث جلوس میں امام حسین کے قاتلوں پر لعن کہنا اسلام کے احکام کے خلاف ہے اور وہ سنیوں اور اسلام کے ناصبی فرقہ کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتے ہیں اور اس وجہ سے شاہراہ عام پر ایسا فعل کرنیکی اجازت نہ دیجائے۔ پریوی کونسل کے جج صاحبان کا فیصلہ نہایت واضح طور پر اس کے خلاف ہے۔ جج صاحبان نے اسکی اجازت دی ہے اور ان کے نزدیک جائز ہے کہ شیعوں کو سنی مسجد کے سامنے نوحہ و ماتم کیساتھ جلوس روکنے اور مسجد کے نزدیک سڑک پر مذہبی رسوم ادا کرنیکا حق حاصل ہے اور اس امر سے کہ مسجد میں سنیوں کی نماز اور عبادت میں مذکورہ بالا سے خلل ہوگا شیعوں کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس قسم کے حقوق جیسا کہ شیعہ طلب کرتے ہیں نہ تو کوئی جرم ہے اور نہ کوئی پبلک یا پرائیویٹ ایذا رسانی ہے اس کو بھی مستند عدالت نے طے کر دیا ہے۔ ہماری آنریبل ہائیکورٹ کی ایک بینچ کا نظریہ ایک مقدمہ میں جو کہ ۳۰ الہ آباد ۱۸۱ میں شائع ہوا ہے۔ حسب ذیل ہے

"جہاں پر یہ سوال جسمیں جائداد کے معمولی حقوق وابستہ ہیں ہمارے سامنے آتا ہے تو قبل اس کے کہ ہم ان حقوق کو توڑیں ہم کو کچھ اصول یا قانونی قواعد تلاش کرنے چاہئیں جو کہ ایسے قانون کی زیر حمایت ہوں جن کے ذریعہ سے ان حقوق پر لوگوں کی خواہشات اور احساسات کو ترجیح دی جائے اور وہ فعل جو کہ ایک گروہ کے احساسات کو مجروح کرتے ہیں ضروری نہیں ہے کہ پبلک کے لئے ایذا رساں سمجھے جائیں"۔ دوسرے مقام پر جج صاحبان اسی کیس میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ ہر شخص کا قانونی حق ہے کہ وہ اپنی جائداد کو جیسا مناسب خیال کرے استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ ایسا کرنیمیں دوسروں کو واقعی طور پر نقصان نہ پہونچائے یا قانون کے خلاف نہ کرے اگرچہ ایسا کرنے سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں"۔

یہ واضح ہو جائیگا کہ جج صاحبان نے دوسروں کے احساسات کو مجروح کرنے اور واقعی قانونی نقصان پہونچانے کا فرق صاف طور سے ظاہر کر دیا ہے۔ جج صاحبان نے صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ اگر ایک شخص کو کسی کام کرنیکا قانونی حق ہے تو وہ اسکو کر سکتا ہے۔ خواہ اس سے دوسروں کے احساسات مجروح ہوں۔ اگر ایسا کرنے سے دوسروں کو واقعی قانونی تکلیف

ہوتی ہے تو وہ اس فعل کو نہیں کر سکتا۔ یہ گاؤکشی کا ایک مقدمہ تھا اور ہندوؤں نے اس مقدمہ میں اعتراض کیا تھا کہ گاؤکشی کے خیال سے ہی ہندوؤں کے دلوں میں اس فعل کے خلاف نہایت سخت جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے گاؤکشی کی اجازت مسلمانوں کو نہ دی جائے ہم کو اس کا خیال کرنا پڑتا ہے کہ منو جی کے زمانہ سے آج تک ہندو مذہب اور اس کے معتقدات اور تخیلات میں گائے کی زندگی اور برہمن جو انسانیت کا بہترین طبقہ ہے ایک معیار پر ہیں۔ ہندو قانون کے مطابق گائے اور برہمن کی جان لینے کے جرم کی سزا سزائے موت ہے اور ہندو قانون کے مطابق ایسے مجرم اور گنہگار کبھی نہیں بخشے جائیں گے۔ آگے چلکر اسکا بھی خیال کرنا پڑتا ہے کہ ہندو مذہب کا یہ اصول نہ صرف اس ملک کے زراعت کے کاروبار کی اعلیٰ اصول پر مبنی ہے اور اب بھی موجودہ ہندوستانی ماہران اقتصادیات کے نزدیک اس ملک کی عام غربت اور فلاکت گایوں کی اچھی نسل سے بہت کچھ وابستگی ہے۔ یہ روزانہ زندگی کی ایک عام بات ہے کہ گاؤکشی کے مسئلہ میں عام طور سے ہندو کسی بات پر رضامند نہیں ہوتا کیونکہ اسکا دل ان روایتی احساسات کا حامل ہے جو کہ قدیم زمانہ سے اس تک پہونچے ہیں۔

اس اہم مذہبی اعتراض اور ہندوؤں کی منصفانہ التجاؤں کے بعد بھی ہماری آنریبل ہائیکورٹ مسلمانوں کے قانونی حقوق کے اجراء میں مصر رہی اور یہی بات جو جج صاحبان نے ۳۰ الہ آباد ۱۸۱ میں کیا ہے اور ۲۶ الہ آباد لا جرنل ۱۰۱ کے اسی طرح کے مقدمہ میں اسی اصول کی تقلید کی گئی ہے۔ ایک دوسرے ڈویژن بنچ کیس میں جو کہ ۱۹۳۰ الہ آباد کے صفحہ ۸۰ میں چھپا ہے جسٹس آنریبل سر سلیمان اور آنریبل جسٹس سین صاحبان نے حسب ذیل تجویز کیا ہے۔ اگرچہ گائے کی قربانیاں ہندوؤں کے لئے انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے دل آزار ہیں تو یہ فعل پبلک کی ایذا رسانی کے خیال سے نہیں روکا جا سکتا کیونکہ قانون میں ذکی الحس لوگوں کی گنجائش نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح کے ایک دوسرے مقدمہ میں آنریبل جسٹس سلیمان اور آنریبل جسٹس ینگ صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہندوؤں کو اپنے قومی اور مذہبی جلوس تمام گلیوں اور شاہراہ عام پر باجا بجاتے ہوئے اور مذہبی رسوم ادا کرتے ہوئے لیجانیکا حق حاصل ہے اور مسجد کے قریب سے گذر سکتے ہیں۔ اور مسجد کے مسلمانوں کو سب

جلوس کے اس بنا پر روکنے کی التجا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس سے ان کی مذہبی عبادت میں خلل پڑتا ہے۔ اس مقدمہ میں جج صاحبان کی حسب ذیل رائے ہے "ان مسجدوں یا مندروں میں جو کہ شاہراہ کے نزدیک ہیں عبادت کرنیوالوں کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ صاحبان جلوس کو پوری طور پر جبکہ وہ مسجد یا مندر سے گذر رہے ہوں پوری طور پر باجا بند کرنے کیلئے اس بنیاد پر نہیں مجبور کر سکتے کہ اس کے اندر مسلسل عبادت ہو رہی ہے خواہ باجا مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس بنا پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ دوسرے فرقہ کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتا ہے۔ باجے کے بند کرنے سے صاحبان جلوس کی اتنی ہی دلآزاری ہوتی ہے جتنی کہ اس کے بجتے رہنے سے دوسرے فرقہ کی ہوتی ہے۔ بدیں وجہ پورے طور سے باجے کو بند کرنے پر زور دینے کا کوئی حق نہیں ہے" اس فیصلہ میں دوسرے مقام پر جج صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ "تمام باجے خواہ وہ کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں نہ تو وہ پبلک کیلئے ایذا رساں ہو سکتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں خواہ ان سے سڑک کے متصل مکان میں رہنے والے لوگوں کو تکلیف پہونچے" آگے چلکر انہوں نے تحریر کیا ہے کہ جلوس کا باجے کے ساتھ نکلنا خواہ وہ باجہ عبادت کا مذہبی جزو ہو یا نہ ہو اس فرقہ کا قانونی حق ہے لیکن شاہراہ عام کو بالکل عبادت کے لیے مخصوص نہیں کر سکتے۔ ہر مذہب کے آدمیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ مذہبی جلوس شاہراہ عام پر نکالیں بشرطیکہ وہ پبلک کے دوسرے افراد سے ایسی سڑکوں کے استعمال میں مزاحم نہ ہوں۔ اس مقدمہ میں مدعا علیہم نے "کسی جگہ ظاہر کیا ہے" کوئی شہادت اس امر کی دی ہے کہ مدعیان کے جلوس اور باجے اور ڈھول سے یا طبل اور تاشے سے مدعا علیہم یا پبلک کے دوسرے افراد کو اس گلی کے عام استعمال میں مزاحمت ہوئی ہے۔ انکا اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ تمام اسلام کے خلاف ہے اور یہ سب چیزیں سنی اور ناصبیان جونپور کے مذہبی احساسات اور جذبات کو مجروح کرتے ہیں جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ جج صاحبان کے نزدیک ایسے اعتراض بے بنیاد ہیں جو ملک کے عام قانونی حقوق رعایا یا کسی طبقہ کے حقوق کے خلاف ہوں میں اس کو بھی ظاہر کرتا ہوں کہ اس مقدمہ کے واقعات اور شہادتوں کی بنیاد پر مدعا علیہم کا مذہبی اور جذباتی

اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔ بینچ دو ویژن کے ایک دوسرے مقدمہ میں جو الہ آباد لا جرنل صفحہ
۶۳۲ ستمبر ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا تھا آنریبل جسٹس مکرجی اور آنریبل جسٹس بینٹ کی یہی رائے
ہے۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۶۳۸ میں آنریبل مکرجی تحریر فرماتے ہیں کہ قانونی عدالت میں فیصلہ
کا معیار صرف قانونی حقوق ہی ہونا چاہیے اور کسی طور پر محض بادشاہ سلامت کی رعایا کے
کسی گروہ کے احساسات کو ملحوظ نہیں رکھنا چاہیے۔ جج صاحبان تحریر کرتے ہیں کہ ہر
شہری کو حق حاصل ہے کہ وہ جس طریقہ سے چاہے عبادت کرے یا جلوس نکالے بشرطیکہ
ایسا کرنے سے دوسروں کے قانونی حقوق اثر پذیر نہ ہوں۔ آگے چلکر جج صاحبان یہی
تحریر میں صفحہ ۶۳۹ میں لکھتے ہیں کہ ہر اس فعل یا افعال سے مزاحمت ہو سکتی ہے
جو کہ کسی عام شخص یا پبلک کی نسبت جرم ہو۔ پبلک نیوسنس Public Nuisance
کی تعریف دفعہ ۲۶۸ تعزیرات ہند میں تحریر ہے اور جج صاحب نے اس دفعہ کی نہایت محتاط
تشریح کے بعد تحریر کیا ہے کہ ایسے افعال جنکی بابت سنی اس مقدمہ میں شاکی ہیں اس دفعہ
کی رو سے پبلک نیوسنس کے جرم میں شمار نہیں ہوتے۔ اس صفحہ پر آگے چلکر جج صاحب
کی رائے ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ مدعا علیہم کا کوئی فعل یا افعال
ان لوگوں کیلئے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں جو کہ مسجد میں مسلمانوں کی نماز کے وقت موجود ہوتے
ہیں۔ لیکن اگر ہم اس دفعہ (۲۶۸ تعزیرات ہند) کو دیکھیں اور غور سے پڑھیں تو ہم کو
معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایذا رسانی جس کے مقصد کی طرف وہ سکشن اشارہ کرتا ہے
اس قسم کی ایذا رسانی نہیں ہے جس سے رعایا کے کسی گروہ کے مذہبی خیالات پبلک کی
دوسری جماعت کے بے گناہ فعل سے مجروح ہوں اسوجہ سے جج صاحبان نے متعدد مقامات
کی تشریح کی۔ یہ رائے قائم کی ہے کہ رعایا کی کسی جماعت کی دلآزاری جو کہ جذباتی بنیاد پر
ہو وہ قانونی دلآزاری نہیں ہو سکتی۔ جس سے دفعہ ۲۶۸ تعزیرات ہند میں مراد ہے۔ ایسے
تمام فیصلوں کا خاص اصول یہ قانون ہے کہ ہر آدمی اپنی جائداد سے اپنی خواہشات کے مطابق
فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے بشرطیکہ ایسا کرنیمیں دوسروں کے قانونی حقوق پر اثر انداز نہ ہو

اس اصول کی وسعت صحیح اور حدود جیسا کہ اس ملک میں رائج ہے مقدمہ مذکورہ بالا میں کافی طور پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس تمام قانون کی مدراس ہائی کورٹ کے تین مقدموں (۵ مدراس ۳۰۹، ۴۰۲ اور ۲۶ مدراس ۳۶۷) میں پوری طور پر بحث کر دی گئی ہے۔ پریوی کونسل کے جج صاحبان نے ان مقدمات کے فیصلوں کو منظور کر دیا ہے۔ جو کہ ۲۳ الہ آباد لا جرنل ۱۹۰۷ میں شائع ہوئے ہیں اور اوپر انکا حوالہ دیا جا چکا ہے اور جج صاحبان پریوی کونسل نے بمبئی کیس کے ان مقدمات کے فیصلوں کو منسوخ کر دیا ہے جس میں کہ ان کے برعکس رائے قائم کر دی گئی تھی۔ مدراس کے مقدمات جنکا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس مقدمہ میں مدعیان کے معاون ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ملک کے قانون کے بموجب جیسا کہ رائج ہے مدعا علیہم کو اعتراض قائم کرنیکا حق حاصل نہیں ہے۔ اگرچہ مدعیان کا فعل سنیوں یا ناصبیوں کے احساسات اور جذبات مجروح کرے خواہ اس سے ان کی کوئی مذہبی دل آزاری بھی کیوں نہ ہو۔

ان تمام فیصلوں کے بعد اور کچھ کہنا اس بارہ میں بہت زیادہ ہوگا کہ رعایا کا کوئی طبقہ شاہراہ عام کو اپنے مذہبی یا ملی جلوس باجے اور گانے اور دوسرے رسومات مذہبی یا ملی کے ساتھ جیسا کہ مدعیان نے اس مقدمہ میں طلب کئے ہیں استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پبلک کا ہر راستہ یا شاہراہ عام ایسے استعمال کرنیوالے کو وقف کر دی گئی ہے اور بہت سے مقدمات جنکا حوالہ اوپر دیا جا چکا ہے اس سے یہ مطلب پوری طور پر صاف ہو جاتا ہے کہ پبلک کا ہر طبقہ شاہراہ عام یا سرکاری سڑک کو ان مقاصد کے لئے جن کو مدعیان نے اس مقدمہ میں طلب کیا ہے قانوناً استعمال کر سکتا ہے۔ چونکہ ملک کے قانون کی گنجایش اور اس کے قانون صحیح مقصد پر جیسا کہ اس مقدمہ میں قانونی نکات پیدا اب حاصل ہوئی ہیں بہت سخت بحث ہو چکی ہے۔ میں ذیل میں اس قانون کا خلاصہ جیسا کہ حکام بالا کے فیصل شدہ مقدمات سے حاصل ہوا ہے درج کرتا ہوں جنکی میں اس مقدمہ کے فیصل کرنے میں تقلید کرونگا۔"

(۱) پبلک کے ہر طبقہ کو اختیار ہے کہ وہ ہر گلی یا شاہراہ عام سے مذہبی یا ملی جلوس مع ایسے مذہبی یا غیر مذہبی اعمال یا نشانات کے ساتھ جیسا ضروری خیال کریں اور ایسے باجوں اور

اور گانوں یا تقریروں کے ساتھ جیسا کہ وہ اپنے مقصد کے موافق مناسب خیال کریں لے جا سکتے ہیں (۲۳۔ الہ آباد لا جرنل ۱۷۹ صفحہ ۱۸۰ سنہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۶۲۴ و ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۳۵۲ صفحہ ۳۵۰۔

(۲) پبلک کے کسی دوسرے طبقہ کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایسے جلوس کے نکالنے یا مذہبی یا دوسرے اعمال یا دوسرے رسومات یا گانے بجانے یا نظم خوانی یا تقریروں پر جو کہ اس میں کی جائیں صرف اس بنا پر اعتراض کرے کہ اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے یا مذہبی احساسات مجروح ہوتے ہیں۔ پبلک کے دوسرے طبقہ کے اس قسم کے اعتراضات اسوقت قابل توجہ ہو سکتے ہیں جبکہ یہ جلوس اور مذہبی اعمال یا گانے یا تقریریں پبلک نیوسنس یا دوسرے دفعات جرم جو کہ ملک میں رائج ہیں ان کی حد تک پہنچیں یا پبلک کے دوسرے طبقہ سے قانونی اور حقیقی حقوق کو شکست کریں۔ (۲۳۔ الہ آباد لا جرنل ۶۲۴ صفحہ ۳۵۰ ۔ ۱۳۰ الہ آباد۔ ۱۸۱۔ و سنہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۶۲۴ صفحہ ۶۳۸ لغایتہ ۶۴۱) واقعاتی نتیجہ جو کہ اس قانونی مسئلہ کے آخری حصہ سے پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ شیعوں کے افعال جسکے متعلق مدعاعلیہم نے اس مقدمہ میں اعتراض کیا ہے آیا وہ (پبلک نیوسنس) کے جرم یا دوسرے جرم کی حد تک پہنچتے ہیں یا نہیں اور ان سے مدعاعلیہم کے حقیقی حقوق شکست ہوتے ہیں یا نہیں۔ قانون فوجداری کی معقول وسعت میں جو کسی ممکن جرم کے واسطے کسی معقول دلیل کے ساتھ لائی جا سکتی ہے۔ وہ مدعیان کے افعال زیر دفعات ۱۵۳ الف ۲۹۵ الف اور ۲۹۶ تعزیرات ہند میں قبل اس کے کہ میں ان دفعات کے حقوق کی تشریح کروں اور مقدمہ میں ان کے چسپاں کرنے کی کوشش کروں یہ ضروری ہے کہ میں تحریری شہادتوں کے واقعات سے یہ ظاہر کروں کہ شیعوں کے ان افعال کی جن پر مدعاعلیہم نے اعتراض کیا ہے واقعی حقیقت کیا ہے عملی طور پر مدعاعلیہم اس بات پر معترض نہیں ہوئے کہ مدعیان کو اپنے جلوس زیر بحث معہ ماتم نوحہ طبل۔ تاشہ نکالنے کا حق نہیں ہے بلکہ جس امر پر کہ وہ واقعی معترض ہوتے ہیں وہ شیعوں کا قاتلان حسین پر یا پہلے تین خلیفوں پر تبرا کہنا ہے اور میرے نزدیک اس مقدمہ میں یہی ایک اہم اور اصلی پوائنٹ قابل فیصلہ ہے۔ اور اس بات سے انکار نہیں کیا

جا سکتا کہ یہ مسئلہ خالی از دقت نہیں ہے۔

میں نے اسلام کی ترقی کی ابتدائی تاریخ بیان کر دی ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ کن تاریخی اقتضا کے ماتحت شیعہ اور سنی یا ناجی کے درمیان توارثی بنیادی اختلافات ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ شیعوں کا پختہ اعتقاد ہے کہ پہلے تین خلیفہ ابوبکر، عمر و عثمان تخت خلافت کے صریحی غاصب تھے اور موزوں شخص حضرت علی تھے اور یہ ان کا اصلی اعتقاد ہے کہ یہ پہلے تین خلیفہ حضرت علی اور ان کے لڑکوں کے اور اہلبیت کے دشمن تھے۔ اور ان کی پالیسی اپنے زمانہ حکومت میں بہت بڑی حد تک اہلبیت کی تباہی و حضرت علی کی شہادت اور حادثہ کربلا کا باعث تھی۔ اسی وجہ سے وہ اس پختہ اعتقاد کی وجہ سے ان پہلے تین خلیفوں کو ان کے سرغنہ دشمن سمجھکر ان پر لعنت بھیجتے اور ان پر نفرین کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ ان خلیفوں پر تبرا کہتے ہیں۔ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ مسلمہ ہے کہ امام حسین کی شخصیت جاذب ترین تھی اور اعتقاد اسلامی کے سب سے بڑے ہیرو تھے ممکن ہے کہ وہ ایک بڑے پالیٹیشن (سیاست داں) یا دور اندیش اور مدبر نہ ہوں ممکن ہے کہ انہوں نے غلط فیصلہ کیا ہو ان میں دور اندیشی کی کمی ہو۔ جیسا کہ فرانسیسی مورخ مونس ایچ لیمنس نے لکھا ہے یا ممکن ہے کہ وہ بہت ہی سیدھے سادھے اور سادہ دل ہوں جیسا کہ دوسرے مورخین نے بیان کیا ہے لیکن اس امر کا کہ وہ مسلم تاریخ کے عابد ترین ہی اور سب سے بڑے ہیرو تھے کسی سے بھی انکار نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ نبی کے نواسے تھے جن سے کہ رسول اللہ بہت محبت کرتے تھے اور وہ نبی کے تنہا وارث تھے۔ وہ ان حالات کے ماتحت قتل کئے گئے کہ ان سے سخت ترین دل بھی ان خوفناک واقعات کے سننے سے رنج و غم سے پگھل جاتا ہے اور وہ واقعات کربلا کے نام سے موسوم ہیں۔ شیعوں کے اصلی اعتقادات میں سے ایک یہ ہے کہ امام حسین اپنے باپ علی یا اپنے بھائی حسن کی جانشینی کے لئے جائز خلیفہ تھے اور معاویہ صریحی غاصب تھے اور ان کے لڑکے یزید کی تخت نشینی ایک کھلی ہوئی ناانصافی تھی جو کہ معاویہ نے اور ان کے ساتھیوں نے اسلام اور اہلبیت کیساتھ کی اس میں سے شیعوں کے بہت سے اعتقادات مستند تاریخوں پر جیسا کہ اوپر تحریر کیا ہے قائم رہیں، اس کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا کہ معاویہ ابو سفیان کے بیٹے

تھے جو محمد اور ان کے دین کے مخالف رہے اور انہوں نے پالیسی اور کشیدہ دلی سے
نبی کا مذہب قبول کیا اور اس کو بعد میں کھلم کھلا چھوڑ دیا

معاویہ اور یزید دونوں کے کارنامے مستند تاریخوں میں بالکل سیاہ ہیں اور قاتلان حسین
وحشی قسم کے سنگدل اجوڑے دار تھے (کرایہ کے آدمی) معاویہ وہ آدمی تھے جنہوں نے خلیفہ اول
حضرت ابوبکر کے لڑکے محمد کو گدھے کی کھال میں بھر کر زندہ جلوا دیا اور وہ شخص تھے جس نے عائشہ
کو اپنے پاس دعوت کے لئے دھوکے سے بلایا اور ان کو ایک خس و خاشاک سے ڈھکے ہوئے گڈھے
پر چلایا اور ان کو اس میں گروا کر مروا ڈالا۔ صرف اس معمولی بنا پر کہ انہوں نے یزید کی نامنصفانہ
نامزدگی کی مخالفت کی تھی۔ بہر حال تعین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس اعتقاد کے لئے کافی تواریخی
مواد موجود ہے کہ معاویہ یزید اور قاتلان حسین بدترین انسان تھے۔ اور شیعوں کا اس قسم کا
اعتقاد جو گذشتہ کئی صدیوں سے رہا ہے غلط نہیں کہا جا سکتا ہے۔ انکا اعتقاد ہے کہ یزید امام
حسین کی پر جفا شہادت کا ذمہ دار تھا۔ اور تینوں خلیفہ ان کے واقعات کے ابتدائی اور مخصوص
کردار تھے۔ شبیہ تعزیوں کے جلوس کو نوحہ و ماتم کے ساتھ ہندوستان اور ایران میں کم
سے کم سولہویں صدی عیسوی سے نکالتے رہے ہیں (گولڈن ویڈز آف امام حسین صفحہ ۱۰۲۔

یہ ایک تاریخ کا سوال ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور ہم میں سے جو سب سے
بوڑھے ہیں ان کے لئے یہ معاملہ عام مشاہدہ اور عام واقفیت کا ہے کہ ہم اپنے بچپنے سے
ان تعزیوں کے جلوس کو اور شیعوں کو نوحہ و ماتم کرتے دیکھتے چلے آتے ہیں۔ تعزیہ کربلائے
معلیٰ کے مقبرے کی شبیہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ نوحہ و ماتم میں مرثیے پڑھے جاتے
ہیں جنہیں کہ دل دکھانیوالے واقعات اور حسرتناک سوانح کہ کس طرح حسین اور ان کے
۷۲ رفقا کے ساتھ یزید کی اتنی بڑی فوج پیش آئی مندرج رہتے ہیں اور وہ برہنہ سر
اور برہنہ پا اپنے پیشوا کے انجام پر انتہائی غم میں سینہ پیٹتے ہوئے جلوس کے ہمراہ چلتے ہیں
کیا ہم میں سب سے زیادہ شکی آدمی یہ کہنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ شیعہ یہ سب صرف نمائش
یا تماشہ یا سنیوں اور ناصبوں کے جذبات مجروح کرنے کے لئے یا ان کی ایذا رسانی

کے یہ کرتے چلے آئے ہیں۔ کوئی آدمی اس کا مطلب یہ نہیں کہہ سکتا جبکہ وہ اپنا جلوس مختلف علم اور رسومات کے ساتھ لیجا سکتے ہیں تو روتے جاتے ہیں اور وہ اپنی تاریخ کے اس حصہ کی تفصیلی واقعات اور وجوہات بیان کرتے جاتے ہیں۔ ان سب کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قاتلان حسین پر اور ان لوگوں پر جو اس واقعہ کے بانی تھے لعنت و نفرین کرتے ہیں۔ جبکہ امام حسین کی شہادت کی رسومات پورے انہماک کے ساتھ منائی جاتی ہوں تو ان لوگوں پر لعنت کا کہنا رد کا نہیں جا سکتا۔ اس ڈرامہ کی تصویر کبھی پوری ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ واقعہ کا یہ حصہ بھی اپنی پوری وضاحت کیا تو مناسب طور پر ظاہر نہ کیا جائے۔ آپ امام حسین کی شہادت بلا اس امر کا اظہار کئے ہوئے کیسے منا سکتے ہیں کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے ان کو شہید کیا اور وہ لوگ کس قسم کے تھے اور آیا وہ قابل نفرین ہیں یا نہیں۔ اسوجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ شیعوں کا قاتلان حسین پر یا پہلے تین خلفاء پر نفرین کرنا اور لعنت بھیجنا ان کے پختہ ایمان اور اعتقاد کے بموجب ہے جو کہ صدیوں سے رسومات اور ان کی عملی کارروائی پر مبنی ہے۔ لعنت کہنا سوائے اس اظہار کے اور کچھ نہیں ہے کہ خدا کی رحمت ان لوگوں سے منقطع ہو جائے اور خدائے قادر سے یہ اپیل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ان کو مناسب سزا دے۔ قاتلان حسین اور تینوں خلفاء اب زندہ نہیں ہیں تو پھر سوائے اس کے اور کونسی ممکن صورت ہو سکتی ہے جس سے شیعہ امن و امان کے ساتھ ان تاریخی ناانصافیوں کا بدلہ لیں جو ان کے بارے میں اور ان کے پیشواؤں کے بارے میں ہوئیں کہ وہ بیکسی اور انکساری سے قادر مطلق کے جناب میں اس سے بروز قیامت مناسب الفاظ کرنیکی اپیل کریں۔ یہ پائنٹ کہ آیا کوئی شخص جو خدائے قادر سے ایسی اپیل کرے جنکو پسند نہیں کرتا شیعوں کو ان قانونی حقوق سے روک سکتا ہے جو کہ ان کو حاصل ہیں اور اوپر مستند حوالوں سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ میں ایسی رائے کو قائم کرنے کے لئے رضامند نہیں ہوں۔ خدا سے انقطاع رحمت کی دعا کرنا واقعی سزا دینے کے برابر نہیں ہوتا۔ تو تا ممکن ہے کہ یقین کر لیا جائے کہ خدا شیعوں کی اس دعا کو قبول ہی کر لیگا یا خود رسول خدا سے بروز قیامت اپنی

شفاعت سے محروم کر دیں گے۔ اس بارے میں اس خیالی رد کے پیچھے یا دعاؤں پر سنیوں یا ناصبیوں کا کوئی مذہبی اعتراض کسی معقول دلیل پر نہیں پاتا۔ جہاں تک کہ سنیوں کا تعلق ہے شیعوں کے ان دعاؤں کے متعلق ان کے اعتراضات ضبط تحریر میں ہیں اور میں نے ان کی تفصیل اس تجویز کے دوسرے صفحہ پر سلسلہ وار کی ہے۔ ان پوائنٹس کو یکے بعد دیگرے لیتا ہوں:

(۱) سنیوں کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ شیعہ جب جلوس لیجاتے ہیں وہ پہلے تین خلیفوں پر آہستہ سے لعنت کہتے ہیں یہ خلاف قانون ہے اور ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیے مدعا علیہم کہتے ہیں کہ شیعہ اس طریقے سے ایسا کرتے ہیں اور اس کی طبل کی آواز سے پردہ پوشی کرتے ہیں اور تمام راستہ میں لوگوں (بیرونی دنیا) سے کہتے ہیں کہ وہ قاتلان حسین پر لعنت کرتے ہیں۔ یہ سنیوں کا بیان ہے کہ تینوں خلیفوں پر شیعوں کا ایسا لعن بیرونی پبلک کو نہیں سنایا جاتا۔ میرے خیال میں یہ اعتراض نہایت ہی پر مذاق ہے۔ ہر ایک آدمی کو حق حاصل ہے کہ جو اس کے منہ میں آئے کہے یا ایسی آوازیں جو دوسروں کو نہ سنائی دے جو جی چاہے کہے یہ پائنٹ اتنا صاف ہے کہ اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ شیعوں کو خلفائے ثلاثہ پر بوجہ اپنے ایماندارانہ مذہبی اعتقاد کے جو ان (خلفاء ثلاثہ) کے خلاف ہے لعن و نفرین کرنے کا حق حاصل ہے اور سنی اور ناصبی اس بنیاد پر اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس سے ان کے مذہبی احساسات مجروح ہوتے ہیں۔ اور اگر شیعہ خلفاء ثلاثہ پر شاہراہ عام پر اس طرح سے لعن بھیجتے ہیں کہ وہ سنا جاسکے تو ان کو ایسا کرنے پر پورے طور پر مجاز ہے

(۲) دوسرا یہ امر کہ قاتلوں میں سے کچھ لوگ حضرت علی یا رسول اللہ کے رشتہ دار تھے یا یہ کہ وہ مسلمان تھے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر لعنت نہ کی جائے۔ بشرطیکہ ان پر امام حسین کے قتل کے جرم کا ثبوت ہو۔ ابوسفیان اور معاویہ بھی خود رسول اللہ کے رشتہ دار تھے وہ عرب کے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ کے بہت سے کافر رشتہ دار تھے جو کفر کی حالت میں مرے اور جنہوں نے اپنی تمام زندگی میں رسول کے مشن اور مذہب کو برباد کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان پر لعنت بھیجنے یا نفرین کرنے کو صرف رشتہ داری روک سکتی ہے:

(۳) اس ضلع میں ناصبیوں کا وجود بہت مشتبہ ہے اور مجھے شبہ ہوتا ہے کہ سنیوں نے

ناصبیوں کے وجود کا سوال صرف اسوجہ سے پیش کیا ہے کہ جہانتک سنیوں کا تعلق ہے اُن کے پاس قاتلانِ حسین پر لعنت بھیجنے کی رکاوٹ کے لیے مذہبی اور قانونی دلائل نہیں ہیں اس مقدمہ میں شیعہ خلفائے ثلاثہ پر لعن بھیجنے کے (استحقاق) کے طالب نہیں ہیں۔ اسوجہ سے اس مقدمہ میں ان کے متعلق کوئی ڈگری نہیں دی جا سکتی۔ اور جہاں تک اسکی مخالفت کا تعلق ہے سنی محفوظ ہیں۔ مدعا علیہم اپنے بیان تحریری میں بھی اس کا اظہار نہیں کرتے کہ جونپور میں ایک فرقہ ناصبی ہے جو معاویہ اور یزید کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ وہ سرسری طور پر اشارہ کرتے ہیں کہ جونپور میں ایک فرقہ یزید اور قاتلانِ حسین کو اپنا پیشوا مانتا ہے اور بدیں وجہ اس سے نقضِ امن کا اندیشہ ہے۔ صرف ایک گواہ عبدالعزیز پیش کیا گیا۔ جو کہتا ہے کہ وہ شیعہ بنی اُمیّہ ہے وہ کہتا ہے کہ اس فرقہ کے دشمن یعنی شیعہ اُن کو ناصبی کہتے ہیں۔ اسکا بیان یہ ہے کہ وہ یزید کو اپنا امام اور خلیفہ اور دوسرے قاتلانِ حسین یا یزید کے مددگاروں کو غازی، مجاہد اور انصار کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان ساتوں آدمیوں میں سے جنکا ذکر مدعیان نے کیا ہے کسی پر اگر لعنت کہی گئی تو اس کے فرقہ کے لوگوں کی یعنی ناصبیوں کے مذہبی جذبات بہت مجروح ہوں گے اور اس سے جوش پیدا ہوگا۔ اس کا بیان ہے کہ جونپور میں اس کے فرقہ کے لوگ ایک ہزار سے لیکر بارہ سو تک ہیں۔ یہ ایک معمولی ملازم جو بیس روپیہ ماہوار ایک مدرسے سے پاتا ہے اور چندہ وصول کرنیکا کام کرتا ہے اور وہ سنیوں کے ایک یتیم خانہ میں بھی دس روپیہ ماہوار پر ملازم تھا۔ اس نے کوئی مستند حوالہ یا کتابیں پیش نہیں کیں جسمیں اس کے اعتقاد اس کے کسی طبقہ نے تحریر کئے ہوں۔ مدعا علیہم کے کچھ گواہاں نے بھی جونپور میں ناصبیوں کے وجود کا اظہار کیا ہے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ غور یہ امر ہے کہ تبرے کے متعلق جونپور میں گذشتہ کئی سال سے جھگڑا چلا آرہا ہے اور یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی ناصبی نے شیعوں کے تبرے پر اعتراض کیا ہو۔ یا حکام ضلع کے پاس شیعوں کے خلاف اس کے روکنے کی شکایت کی ہو۔ اب جو کچھ کہ ہم سنتے ہیں وہ یہ ہے کہ مقدمہ کے دوران میں کچھ آدمیوں نے شیعیان بنی اُمیہ بنکر شیعوں کے خلاف جلوس نکالنے اور قاتلانِ حسین کی مدح خوانی کیلئے استقرارِ حق کا دعویٰ دائر کیا ہے۔ صرف گذشتہ سال قبل (ڈیڑھ سال) عبدالعزیز گواہ نے ایک اشتہار جو پہلی ہی مرتبہ چھپوایا

تھا نہیں کہ اس قسم کے جلوس استبداراً کرنیکی نیت کا اظہار کیا گیا تھا۔ ان تمام باتوں سے مجھکو یقین ہو گیا کہ جونپور میں ناصبیوں کے قیام کا دعویٰ اور انکا یزید اور قاتلان حسین کو مذہبی پیشوا ماننا قابل نہیں بہ بوجہ ان واقعات سے ناصبیوں کے جونپور میں قیام یا ان کے اقراری اعتقاد کی نسبت میری تجویز مدعاعلیہم کے خلاف ہوتی ہے۔ اس بات کو اگر مان لیا جائے کہ جونپور میں کوئی ایسا فرقہ ہے اور ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یزید ان کا پیشوا تھا اور ہے اور قاتلانِ حسین پر لعنت بھیجنے سے ان کے مذہبی جذبات مجروح ہوتے ہیں تو میری رائے میں قانون کے اصول کے مطابق چونکہ اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کے اس قسم کے اعتراضات کو مدعیین کے قانونی حقوق کے مقابلہ میں اجازت نہیں دی جا سکتی۔ میں نے اس پائنٹ پر مدعاعلیہ کی شہادت خوب غور سے پڑھی ہے۔ ان کی تمام شہادت یہ ہے کہ مدعیان نے جو قانونی حقوق کو پورا کرنے کیلئے التجا کی ہے۔ ان افعال سے ان کی مذہبی احساسات اور جذبات مجروح ہوتے ہیں اور یہ بوجہ اس بنیاد پر وہ چاہتے ہیں کہ مدعیان کے حقوق سے انکار کر دیا جائے اور انکا دعویٰ نہیں ہے اور نہ کوئی شہادت ہے کہ مدعیان کے ان افعال سے ہم لوگوں کے کسی قانونی و جسمانی استحقاق کا نقصان ہوتا ہے اور وہ اپنی کسی ایسی (قانونی و جسمانی) تکلیف کو نہ بیان کرتے ہیں اور نہ ثابت کرتے ہیں یعنی تکلیف جسکو قانون جانتا ہے اور جس کی حفاظت کے لئے قانون تیار رہتا ہے) وہ جسمانی یا قانونی استحقاق کی ایذا رسانی ہے۔ یہ خیالی یا مذہبی حق نہیں ہے۔ میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس پائنٹ پر مذکورہ بالا فیصلوں میں خاص طور سے اس امر پر زور دیا گیا ہے

اس لئے مدعاعلیہم کا معاملہ اس پائنٹ پر بھی فیل ہوتا ہے

(۴) چوتھا اور آخری اعتراض یہ ہے کہ تعزیہ داری بحیثیت مجموعی مع تمام رسومات باجوں اور نوحہ و ماتم کے مذہب اسلام کے اور مذہب شیعہ کے خلاف ہے اور اسوجہ سے بھی شیعہ اس دادرسی کے مستحق نہیں۔ صرف اس پوائنٹ سے کہ مدعیان کے یہ افعال اسلام کے اور مذہب شیعہ کے مستند مسائل کے خلاف ہیں اس سے بھی مدعاعلیہم کو اعتراض کرنیکا کوئی حق نہیں ہوتا ہے میں نے اوپر ظاہر کر دیا ہے کہ شیعوں کا عام طور سے ان امور پر جنکی خواہش کیگئی ہے نہایت برحق

اعتقاد ہے اور ان کو وہ اپنے مذہب کا جزو خیال کرتے ہیں۔ عدالت دیوانی کے فیصلہ کے مقصد کے لئے یہ کافی ہے کہ مدعیان کا ان پر ایسا سچا اعتقاد ہے۔ مجھے یہ فیصلہ نہیں کرنا ہے کہ آیا وہ اعتقاد صحیح ہے یا غلط اور یہ غیر ضروری ہے کہ آیا یہ اعتقاد اسلام یا مذہب شیعہ کے کسی اسپرٹ کے خلاف ہے یا نہیں۔ مقدمہ کا یہ حصہ ختم کرنے سے پہلے میں معقول مستند حوالہ تحریر کروں گا جس سے مجھکو یقین ہو گیا کہ مذہبی پوائنٹ زیر بحث پر شیعوں کا اعتقاد کافی مذہبی مواد پر قائم ہے جس سے ہم اخذ کر سکتے ہیں کہ انکا اعتقاد ان امور پر اصلی سچا اور ایماندارانہ ہے۔

امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص شراب اور شطرنج کو دیکھ کر حسینؑ کو یاد کرے اور یزید اور اسکی اولاد پر لعنت کرے تو خداوند عالم اس کے گناہوں کو معاف فرمائیگا خواہ اس کے گناہ اتنے ہی زیادہ ہوں جتنے کہ ستارے ہیں۔ (کتاب بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۱۸۳) ایک دوسری حدیث ابان شبیب سے منقول ہے کہ جسمیں یہ روایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص جنت میں جانا چاہے تو وہ قاتلان حسینؑ پر لعنت کرے (وہی کتاب صفحہ ۱۸۴) ایک دوسری حدیث ابو عبداللہ سے اس بارہ میں ہے (وہی کتاب صفحہ ۱۸۵) آگے چلکر مذکورہ ذیل ہی مصنف سے ہمکو دستیاب ہوتا ہے پس رسالتمآب نے فرمایا کہ قاتلان حسینؑ اور ان کے دوستوں اور مددگاروں کو بھی اور ان لوگوں کو بھی جو کہ ان پر لعنت نہیں کرتے اپنی رحمت سے دور رکھئے۔ مذکورہ ذیل شیعوں کی دوسری مستند کتاب میں مندرج ہے کہ حسینؑ ابن علیؑ کو کربلا میں سنان بن انس نے قتل کیا خدا انکو اپنی رحمت سے دور رکھئے۔ اور خدا اور رسول اور امام پر اعتقاد بغیر ان کے دشمنوں سے تبرا کئے ہوئے پورا نہیں ہوتا۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ نبی اور امام کے قاتل کافر ہیں اور ہمیشہ جہنم میں رہیں گے (اعتقادات شیخ صدوق) ایک دوسری حدیث مثیر الاحزان میں جعفر بن محمد بن نما سے منقول ہے کہ جسمیں تحریر ہے کہ جب رسول کی بیماری بڑھ گئی تو نبی نے امام حسینؑ کو بٹھایا اور کہا کہ میرا یزید سے کوئی تعلق نہیں ہے خدا اس کی مغفرت نہ کرے۔ خدایا تو یزید کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ رسول کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ان میں اور قاتلان حسینؑ بروز قیامت خدا کے سامنے موجود ہوں گے۔ دوسری حدیث حسب ذیل ہے

خدایا! ان لوگوں نے جنہوں نے انکو (حسینؑ کو) شہید کیا اور ان لوگوں کو جنہوں نے ایذا میں پہنچائیں
اور ان لوگوں نے جنہوں نے یہ سنا اور اس پر رضامند ہوئے اپنی رحمت سے دور رکھ (زاد المعاد صفحہ ۲۹۰)
اور اسی کتاب میں صفحہ ۵۹۲ پر ایسی ہی دوسری حدیث اور بھی ہے اور ان تمام سے ظاہر ہوگا کہ یزید اور
قاتلانِ حسینؑ پر لعنت بھیجنے کی وہ حدیث تائید کرتی ہیں جنکو مستند شیعہ علماء نے صحیح تسلیم کر لیا ہو
امام حسینؑ پر گریہ وزاری کے اور کوئی رونا پیٹنا جائز نہیں ہے (من لا یحضرہ الفقیہ) صفحہ ۱۷۹
بحار الانوار کے صفحہ ۲۰۰ میں امام علی رضا سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جسمیں کہ رسومات محرم
اور شہادت امام حسینؑ پر گریہ وزاری کی تائید کی گئی ہے۔ اس کتاب کے جلد ۱۰ کے صفحہ ۱۶۲ میں
ایک حدیث ہے جسمیں کہا گیا ہے کہ جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو یہ بچہ نبی کو دیا گیا۔ تب رسول اللہ
روئے اور اسماء سے کہا کہ وہ ان سے کچھ خبر کہیں گے اور انہوں نے کہا کہ یہ بچہ شہید کیا جاویگا۔ نبی نے
کہا کہ خدا اس کے قاتلوں پر لعنت کرے۔ نبی نے حسب ذیل کہا۔ میں اپنے بچے کے لئے روتا ہوں جنکو
کہ اسلام کے باغی اور بنی امیہ کے کافر شہید کریں گے اور بروز قیامت میں ان کی شفاعت نہیں کروں گا
خداوندا! تو ان دونوں حسنؑ اور حسینؑ کو دوست رکھ اور ان کو دوست رکھ جو ان کو دوست رکھیں
اور تو ان کے دشمنوں پر لعنت کر خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ ایک کتاب مسمی بہ ذخیرۃ المعاد کے صفحہ
۶۲۵ پر گریہ وزاری کرنیکی اور ماتم امام حسینؑ میں سر و سینہ اور منھ پیٹنے کی اور طبل اور اس کے متعلق باجے
کی اجازت دی گئی ہے۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد اول صفحہ ۷۵ پر اس کے متعلق ایک دوسری سند
بھی ہے۔ دوسری حدیث روضۃ الصفا کے صفحہ ۷۹ پر ہے جسمیں یہ تحریر ہے کہ حمزہ کی شہادت پر
نبی نے اپنی عورتوں کو ان کی موت پر گریہ وزاری کرنیکا حکم دیا اور جب آدھی رات کو ان کی آنکھ
کھلی اور عورتوں کے رونیکی آواز سنی تو فرمایا کہ خدا تم سے اور تمہاری اولاد سے رضامند ہو
کتاب تذکرۂ خواص الامۃ صفحہ ۱۵۴ پر یہ درج ہے کہ حسینؑ شہید اسلام ہیں اور اسی کتاب کے
صفحہ ۱۶۳ پر ان امور کا نہایت مستحکم جواب ہے کہ یزید بہت خراب آدمی تھا۔ یزید اور قاتلان
حسینؑ مستحق لعن ہیں۔ میں اسی سلسلہ میں رسول اللہ کی ایک مشہور حدیث کا ذکر کروں گا
کہ نبی نے اعلان کیا تھا کہ جن لوگوں نے جنگِ قسطنطنیہ میں حصہ لیا ہے بخش دیئے گئے ہیں
اور یہ کہا جاتا ہے کہ یزید نے لڑائی میں حصہ لیا تھا اور اس وجہ سے اس پر لعنت بھیجنا اسلام کے

اور احکام نبوی کے خلاف ہے۔ اس پر لعنت بھیجنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ بخشا جائے اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۲ پر ایک دوسری حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے جسمیں تحریر ہے کہ نبی نے فرمایا ہے کہ جو شخص اہالی مدینہ کو تکلیف پہنچائے خدا اس پر لعنت کرتا ہے اور ملائکہ اور فرشتوں کی اور انسانوں کی اس پر لعنت ہے۔ اور بروز قیامت اسکا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائیگا اور اس کتاب کے مصنف نے صحیح البخاری سے حدیث اس امر کے متعلق تحریر کی ہے کہ جو اہالی مدینہ کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے وہ داخل جہنم ہوگا۔ قسطنطنیہ کی حدیث کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ ابو ایوب انصاری کے لئے ہے۔ یہ سنیوں کی بہت مستند کتاب ہے اور مدینہ کے متعلق جو حدیثیں ہیں ان کو سب نے تسلیم کر لیا ہے کہ یزید نے اہالی مدینہ کو تباہ و برباد کیا اسوجہ سے ان حدیثوں کے مطابق کہ رسول کے احکامات ملتے ہیں یزید ضرور داخل جہنم ہوگا۔ اگر یہ شیعوں کا اعتقاد اس قسم کے اسناد کی مضبوطی کی وجہ سے ہے جو کہ اس مقدمہ کا اصل موضوع ہے تو میرا خیال ہے کہ انکا اعتقاد کافی طور پر مستحکم ہے

مدعیان کی شہادت۔ مدعیان نے کل پانچ گواہ پیش کئے ہیں (۱) عبد الغفور۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مذہب کا ہیڈ اور واعظ ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے شیعہ اور سنی دونوں کی کتابوں کو پڑھا ہے۔ انہوں نے شہادت دی ہے کہ مدعیان کا ہر فعل جو اس مقدمہ زیر بحث میں ہے مذہب اسلام کے پورے مکمل اسناد پر ہے۔ انہوں نے صاف طور پہ صفحہ ۵ پر کہدیا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے جو قاتلان حسین کو اچھا سمجھتا ہو (۲) طالب حسین ایک بڑے زمیندار ہیں جو سات آٹھ ہزار روپیہ تک کے مالگذار ہیں وہ شیعہ ہیں اور پہلے گواہ کی تائید کرتے ہیں اور اپنی شہادت کے تیسرے صفحہ پہ کہتے ہیں کہ جونپور میں اسوقت تک شیعیان بنی امیہ نہیں تھے۔ (۳) سید فضل علی یہ مذہب اسلام کے عالم ہیں وہ بھی مدعیان کے ان امور کو جو اس مقدمہ میں ہیں ثابت کرتے ہیں (۴) فصاحت حسین ہیں جو دو سو ستاسی روپیہ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی مدعیان کی مطالبہ کی تائید کرتے ہیں (۵) آخری گواہ ہیں یعنی مظفر حسین یہ مذہب شیعہ کے عالم ہیں اور انہوں

نے شیعوں کی مستند کتابوں کے حوالہ سے مدعیان کے اعتقاد کو ثابت کیا ہے۔ یہ تمام گواہ
شیعہ ہیں جیسے کہ مدعا علیہم کے تمام گواہ سنی ہیں۔ مدعیان کی طرف کی زبانی شہادتیں
میرے نزدیک مدعا علیہم کی زبانی شہادتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ عام طور سے
مدعیان کے گواہ جنھوں نے واقعات کے متعلق شہادت دی ہے بہتر حیثیت کے ہیں۔
مدعا علیہم کی شہادتیں۔ مدعا علیہم نے کل آٹھ گواہ پیش کئے ہیں۔ (۱) محمد ایوب صدیقی
ایک سنی عالم ہیں وہ کہتے ہیں کہ سنی مذہب کے نزدیک کسی مخصوص آدمی کا نام لیکر لعنت
بھیجنا ناجائز ہے اُن کو اقبال ہے کہ قاتلان حسینؑ خراب آدمی تھے۔ یہ گواہ ایک معمولی
آدمی ہے جسکی تنخواہ ۱۸ روپیہ ماہوار ہے (۲) دوسرے سنی مولوی علی حسن ہیں وہ اس
مقدمہ میں مدعا علیہ بھی ہیں وہ بھی ان واقعات کو بیان کرتے ہیں جو مدعا علیہم کے گواہ نے
نے بیان کیا ہے۔ بحیثیت مدعا علیہم کے اُن کو اس مقدمہ کے نتائج سے بہت بڑی دلچسپی
ہے میرے نزدیک ان کے بیان کا کوئی یقین نہیں کیا جاسکتا (۳) دوسرا مدعا علیہ
جنھوں نے اس مقدمہ کے اصل واقعات پر کچھ نہیں کہا وہ صرف یہ کہنے کے لئے آئے
تھے کہ مدعیان کو ان کے خلاف کوئی بنائے مخاصمت نہیں ہے۔ گواہ ۴ لغایتہ ۶ اس
مقدمہ کے تمام مدعا علیہم ہیں اور محض بنار مخاصمت کے انکار کرنے کے لئے پیش کئے گئے
ہیں۔ گواہ ۷ حکیم محمد لیسین ایک سنی عالم ہیں وہ ان اعتقادات کی تفصیل دیتے ہیں
جو ایک سچے مسلمان کے ہونے چاہئیں وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جونپور میں ناصبی ہیں
راموجہ سے ان کا بیان جو کچھ ہو آسانی سے یقین نہیں کیا جاسکتا۔ آخری گواہ ۸
عبد العزیز ہے جس نے ناصبی ہونیکا اقرار کیا ہے اور اس کے بارہ میں کافی کہہ چکا
ہوں۔ میں نے اس شہادت کو قدرے اختصار کیساتھ تحریر کیا ہے کیونکہ اس قسم کی شہادت
جو فریقین مقدمہ نے اپنے اپنے اعتقادات کے بارے میں دی ہے اس مقدمہ کے فیصلہ
کے لئے زیادہ مفید نہیں ہیں۔ یہ عدالت یا دیوانی کی کوئی عدالت مذہب اسلام کی
جج نہیں ہوسکتی اور نہ یہ فیصلہ کرسکتی ہے کہ شیعوں کا اعتقاد یا سنیوں کا اعتقاد صحیح ہے

یا غلط - اور نہ اس مقدمہ کا فیصلہ اس امر پر مبنی ہے۔ فریقین نے اسلامی دینیات کی مستند کتابیں پیش کی ہیں کہ ان کے اعتقادات صحیح ہیں اور اس کے متعلق ان کے مخالفین کے اعتقادات غلط ہیں۔ اس پوائنٹ پر فریقین کی شہادت کی اہمیت اس امر پر ہے کہ آیا شیعوں کا اعتقاد ایسے مذہبی جلوس علاوہ اس کے متعلق دوسرے دو رسم جنکا مقدمہ میں ہے وہ استقرار پاگئے ہیں صحیح خیالات پر ہیں یا تمائشی ہیں مدعا علیہم کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے کی نیت سے کئے جاتے ہیں۔ اگر مدعیان ہم کو اس کا اطمینان دلائیں جیسا کہ انھوں نے اطمینان دلایا ہے کہ وہ اپنے اعتقادات کو زمانہ قدیم سے بکار رہے ہیں اور وہ ان پر قسمیہ اسناد کی بنا پر عامل رہے ہیں اور یہ کہ تعزیہ اور علم اور باجے بحث پختہ اعتقاد کی وجہ سے استعمال کئے جاتے ہیں تو اس وقت عدالت کو ان کے حق کی حفاظت کرنی پڑیگی اور استقرار دینا ہوگا خواہ ان کا اعتقاد کتنا ہی غلط خلاف عقل اور احمقانہ ہو۔ اگر واقعات کو اس روشنی میں دیکھا جائے تو فریقین مقدمہ نے اس حصہ پر جو زور دیا ہے وہ بیکار ہے۔ ایسی حالت کے ہوتے یہ کہنا ناممکن ہے کہ مدعیان یہ تمام باتیں ایذا رسانی کے لئے کرتے ہیں یا تعزیرات ہند کے دفعات مذکورہ بالا کے ماتحت کسی جرم کا ارتکاب کرتے ہیں

قانونی نظائر

اس کے متعلق کہ آیا ایسا فعل دل آزار ہوسکتا ہے یا نہیں اپیل جسٹس کرجی نے کافی طور پر قانون کے نکتہ پر سنہ ۱۹۲۱ء الہ آباد لا جرنل ۱۹ ء ۲۱ کے صفحات ۶۳۸ لغایتہ ۶۴۲ میں بحث کی ہے اور اسکا حوالہ دیا جاچکا ہے میں نے مذکورہ بالا ان دفعات تعزیرات ہند کی احتیاط سے تشریح کی ہے اور اس پوائنٹ پر قابل وثوق اسناد کا غور سے مطالعہ کیا ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ آیا اس مقدمہ کے مدعیان کا رویہ کسی طور پر ان دفعات کے ماتحت آسکتا ہے یا نہیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس پوائنٹ پر مدعا علیہم کے موافق تجویز دینا ناممکن ہے جیسا کہ میں نے اوپر تحریر کیا ہے کہ واقعات سے اس امر کا یقین کر لینا غیر ممکن ہے کہ شیعہ اپنے تمام

کسی شخص کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کی نیت سے کرتے ہیں وہ یہ سب اپنے ہیرو کی یادگار زندہ رکھنے کے لئے اور ان کی شہادت سنانے کے لئے کرتے ہیں۔ اگر ایسا کرنے میں ایک گروہ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں تو یہ تنہا وجہ شیعوں کے افعال نزاعی کو روکنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے دفعہ ۱۵۳ (الف) کو نظر انداز کرتے ہوئے حاسدانہ نیت کیساتھ عمداً اور دوسروں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنا تعزیرات ہند کی دفعات مذکورہ ۲۹۵ (الف) اور ۲۹۸ کا اصل مقصد ہے جہاں تک دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کا تعلق ہے ہم نوٹ کرتے ہیں کہ وہ بیان جو اس میں منسلک ہے کافی طور پر اصل دفعہ کا زور ان معاملات کے لئے کم کر دیتا ہے۔ جہاں پر کہ تقریر یا تحریر بغیر کسی دشمنی کی نیت کے ایمانداری سے محفوظ کر لی جاتی ہیں (۱۹۲۷) ۲م کلکتہ لاجرنل ای ۷۰۷ (۱۵۹۷) رسالہ ورتمان کے کیس میں بھی جو کہ ا۔ آر۔ ن۔ ۸ (۱۹۲۷) لاہور ۵۵۲ میں شائع ہوا تھا آنریبل براڈوے اور آنریبل سکیمپ نے زیر دفعہ ۱۵۳ تعزیرات ہند معقول طور پر ملزم کو سزا دیتے ہوئے بھی ایسے موقعوں کو جہاں پر ایماندارانہ رائے کا اظہار ہوں اور نکتہ چینی کے بارے میں بغیر کسی خراب نیت کے کیا جاتا ہے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ وہ ایک ایسا مقدمہ تھا جس میں ایک آرٹیکل بعنوان سیر دوزخ کے نامہ نگار نے بہت بیہودہ اور گندے حملے نبیؐ کی زندگی پر اور انکی بیویوں پر اور ان کے اصحاب پر سخت ترین خلاف تہذیب اور ناپاک الفاظ میں کئے تھے وہ بیان کرتا ہے کہ نبی اور انکی بی بیاں اور ان کے صحابی سب کے سب جہنم میں ہیں اور بہت بڑا عذاب برداشت کر رہے ہیں۔ اس نے بہت ہی برافروختہ طریقے سے اور گندی زبان میں بیان کیا ہے کہ نبی اپنے تابعین کے مصلح ہونے کے لئے بالکل موزوں نہ تھے۔ یہاں پر ایسا معاملہ نہیں ہے وہ سب کچھ جو شیعہ کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ اپنے ہیرو کے انجام پر روتے ہیں اور غم کی زیادتی میں ان کے قاتلوں پر نفرین کرتے ہیں ایسے الفاظ میں کہ یزید اور اس کے ساتھیوں پر جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا وہ خدا کی رحمت سے دور رہیں جو اس سلوک کے مستحق تھے۔ کیا ایسے الفاظ گندے ناپاک اس لاہور رولنگ کے منشا کے مطابق کہے جا سکتے ہیں؟ جج صاحبان نے

اس مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ مجرم کا مقصد یا اسکے مقصد کا کوئی حصہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ کچھ جذبات نفرت کو پھیلائے اور اگر یہ اس کی نیت کا کوئی حصہ نہیں ہے تو محض ماحول سے کہ دشمنی اور نفرت کے جذبات کے پھیلانے کا رجحان تھا کافی ہے۔ جج صاحبان نے آگے چلکر ہماری آنریبل ہائیکورٹ کے فل بنچ کے حسب ذیل مقولہ کو جو کہ مشہور دو چرچیوں کے مقدمہ کا تھا منظور کیا ہے یہ مقدمہ سنہ ۱۹۳۰ء الہ آباد ۹۴۶ میں شائع ہوا تھا۔ یہ ماننا پڑیگا کہ ایسے ملکوں میں جہاں پر مذہبی آزادی ہے وہاں پر مذہب کے متعلق رائے کے آزادانہ اظہار کرنے میں اور مذہبی اعتقاد پر نکتہ چینی کرنے کے لئے ایک حد تک آزادی کا دیا جانا ضروری ہے۔ لیکن یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ سمجھنا تمام دلائل کے خلاف ہوگا کہ نکتہ چینی کی ایسی آزادی کو گندے اور ناپاک الفاظ استعمال کرنیکے لئے بھی جاوے۔ لاہور ہائیکورٹ کی یہ بنچ ان نظریوں کو نامنظور نہیں کرتی جو آنریبل دلیپ سنگھ نے مشہور رنگیلا رسول کیس میں قائم کئے تھے جو اس فیصلہ کے تھوڑے ہی دن قبل ہوا تھا اور اور جسکی وجہ سے ملک میں کافی سنسنی پھیل گئی تھی۔ اور یہ مقدمہ سنہ ۱۹۲۷ء میں لاہور ۵۹۰ میں شائع ہوا ہے اور اس سے اس مقدمہ میں مدعیان کی کافی مدد ہوتی ہے۔ دو چرچیوں کے متعلق کے فیصلہ میں جو کہ فل بنچ نے کیا ہے اور جو اے۔ آئی۔ آر سنہ ۱۹۲۷ء الہ آباد ۵۰۰ میں شائع ہوا تھا اس میں جج صاحبان کی رائے تھی کہ کالی چرن شرما کی کتاب کی زبان بہت ہی فحش تھی اور اس کتاب میں مصنف نے نبی کو شراب خواری، واہمہ پرستی، بت پرستی، عیاشی اور جہالت کا مجرم بنایا تھا صفحہ ۶۵ اور اسکی تمام زبان بہت ناقابل دید، ناپاک، تلخ مشتعل کرنیوالی تھی اس مقدمہ میں جج صاحبان نے مصنف کے خلاف نہایت مناسب رائے قائم کی تھی۔

لیکن تب بھی دلیپ سنگھ صاحب جج سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ بہر حال اس مقدمہ میں ملزم کے فوجداری سپرد ہو جانیکی وجہ سے آنریبل جسٹس ولال نے تنہا نشست میں ملزم کو سزایاب کر دیا۔ اور وہاں پر جج صاحب موصوف نے آنریبل دلیپ سنگھ صاحب کے اصول کو تسلیم نہیں کیا (A.I.R. 1927) الہ آباد ۴۵۹۔ لیکن میں نے اوپر بتلادیا ہے کہ ان مقدموں

جرم کی زلن بہت بری تھی اور ان کی نسبت کو دوسری رائے ہونا دشوار تھا یہاں اس مقدمہ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے میں اس نتیجہ پر نہیں آسکتا کہ مدعیان کا یہ فعل کوئی جرم ہے یا اس سے ایذا رسانی کا جرم ہوتا ہے (علاوہ واقعات مذکورہ بالا کے) اس مقدمہ کا ایک اور عام قانونی پہلو ہے جو کہ اس سلسلہ میں ظاہر کیا جانا مناسب ہوگا وہ یہ ہے مدعیان نے حقوق طلب کئے ہیں عام قانونی حقوق ہیں۔ میرے خیال میں وہ L. R. Common پر مبنی کہے جاسکتے ہیں ( ) نے اپنی کانسٹیٹیوشنل لا چھٹے ایڈیشن کے صفحہ ۴۰۵ میں اس مضمون پر بحث کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر شہری کو پبلک پلیس پر جانے کا اور وہاں پر کسی موضوع پر اپنی رائے کے اظہار کا عام قانونی حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ ایسا کرنے میں وہ خلاف قانون نہ کرتا ہو۔ ہر انفرادی ہستی یا جماعت کو کسی موضوع پر رائے کے آزادانہ اظہار کرنے کا اور حق مجلسی کا وراثتی حق ہے۔ ہر فرد یا افراد کی جماعت کو حق حاصل ہے کہ شاہراہ عام پر آویں جاویں کیونکہ وہ اسی مقصد کے لئے ہی ہیں لیکن شاہراہ عام پر آنے جانے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ان پر ہم خاموشی اختیار کرکے آویں جاویں۔ ہر فرد بشر کو سڑک پر بولنے کا اختیار ہے جلوس ایک متحرک مجمع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس لئے ایسے جلوس کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو ایک فرد کو شاہراہ عام کے متعلق حاصل ہیں۔ ان حالات میں مذکورہ بالا آدمیوں پر مدعیان کا لعنت بھیجنا جو قتل امام حسینؑ کے ذمہ دار ہیں ان کے تاریخی کارناموں پر اظہار رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر رائے کا یہ اظہار تبلیغی مقاصد کے لئے ہے یا مذہب کی برائی کرنے کے لئے ہے یا کسی ہیرو کی شہادت منانے کے لئے ہے یا مذہبی رسومات کے طور پر ادا کی جاتی ہے تو میرا خیال ہے کہ کوئی معقول اعتراض اس پر نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ اس اظہار رائے سے پبلک کے کسی طبقہ کے مذہبی جذبات مجروح ہوں یا اس سے مذہبی دلآزاری ہو اس لئے ان دونوں تنقیحات میں میری رائے مدعیان کے موافق ہوتی ہے۔

تنقیح نمبر ۳۔ سکرٹری آف اسٹیٹس فار انڈیا اس مقدمہ میں ضروری فریق نہیں ہے

حکام ضلع نے دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند کے ماتحت کارروائی کی ہے اور اس دفعہ کی رو سے انکی کارروائی خواہ کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو ان حکام کے خلاف یا ان کے افسر اعلیٰ سکریٹری آف اسٹیٹس کے خلاف کوئی نالش مخاصمت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے میں اس تنقیح کا فیصلہ خلاف مدعا علیہم کرتا ہوں

تنقیح نمبر ۱۲۔ مدعیان کا معاملہ یہ ہے کہ مدعا علیہم مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے رہے ہیں اور وہ مدعیان کے رسومات کی آزادانہ بجا آوری پر حکام ضلع سے نوٹس نکلوا کر رکاوٹیں ڈالنے کے ذمہ دار رہے ہیں۔ اسوجہ سے مدعیان نے مدعا علیہم کے خلاف بنائے مخاصمت (مقدمہ ہذا میں) قائم کرتے ہیں۔ مدعا علیہم نے بہت سخت مخالفت کی تمام امور اور ان کے تمام حقوق کا انکار کر دیا جو واقعات کے ذرا ذرا سے جزو پر خوب اچھی سے لڑے ہیں۔ یہ مقدمہ بہت زمانہ تک فاضل سول جج کی پیشی میں رہا اور اسکی کچھ کارروائی انکے سامنے ہوئی اور بقیہ میرے سامنے ہوئی۔ مجھکو اس مقدمہ کے فیصلہ کرنے میں اور کارروائی دیکھنے میں تقریباً پندرہ دن لگے اور میں نے معلوم کیا کہ فضا بہت مکدر تھی۔ اور دونوں فرقوں کے بیس سے لیکر پچاس اور کبھی کبھی اس سے زیادہ آدمی کمرہ عدالت میں اور اسکے نزدیک رہتے تھے اور نہایت اشتیاق کے ساتھ دیکھتے رہتے تھے کہ مقدمہ میں کیا ہو رہا ہے جو کچھ میرے سامنے گذرا اس سے میرے دماغ میں ذرا بھی شبہ اس امر کا باقی نہیں رہتا کہ سنی بحیثیت مجموعی مدعیان کے حق کا انکار کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ فصاحت حسین جو کہ مدعیان کے گواہ ہیں اقبال کرتے ہیں کہ سنیوں نے حکام ضلع کے پاس مدعیان کے جلوس کے طبل اور تماشہ کی شکایت کی جسکو حکام نے اپنے نوٹس زیر دفعہ ۱۴۴ سے روکدیا۔ محمد ایوب گواہ مدعا علیہم نمبر ۱ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مدعا علیہم نے مدعیان کے حق کا انکار کرنے میں دلچسپی لی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ مدعا علیہم کی طرف کے تمام گواہوں نے سوائے تین گواہوں کے جنہوں نے واقعات کے متعلق کچھ کہا ہی نہیں ہے مدعیان کے حقوق کا انکار کرتے ہیں۔ مجھکو نوٹ کرنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جو مدعیان کے حقوق کے انکار کرنے میں دلچسپی لیتے ہیں زیر دفعہ ۴۲ ض د S.R.A.C. مقدمہ چلایا جا سکتا ہے د لاہور صفحہ مدراس اور ۱

میرے نزدیک اس مقدمہ میں مدعیان کو فرقہ سنی کے خلاف بہت واضح بنا پر
نجی صمت ہے۔

تنقیح نمبر ۵ - مدعا علیہم کی طرف سے یہ عذر کیا گیا ہے کہ اسکی تجویز عدالت کی بالکل رسائی کے اوپر ہے۔ اور مدعیان کا یہ حق نہیں ہے کہ ایسا حکم دلا پائیں مستقل حق کے طالب ہیں اور چونکہ اس مقدمہ کے استقرار حق کے ڈگری دینے سے نقص امن عامہ ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں فرقوں کے جذبات مشتعل ہیں اس لئے عدالت کو استقرار منظور کرنا چاہئے میرے خیال میں واقعات جو مدعا علیہم کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں ان سے عدالت دیوانی پر یہ اور واجب ہو جاتا ہے کہ وہ فریقین کے قانونی حقوق کا قطعی طور پر فیصلہ کر دے اور حکام ضلع کے ہاتھوں میں فریقین کے قانونی حق کا ٹھوس اعلان دیدے جیسا کہ شہادت مسل موجودہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام ضلع ایک تاریکی میں تھے اور ان کے پاس کسی مستند عدالت کا فیصلہ اس بارے میں نہیں تھا کہ اس اختلافی مسئلہ میں مسلمان پبلک کے ان دونوں فرقوں کے قانونی حقوق کیا ہیں۔ جیسا کہ مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قیود عام طور پر انہیں لوگوں کے خلاف عائد ہوتے رہے ہیں جنکو ان کی نسبت قانونی استحقاق رہا ہے اور انہیں قانونی استحقاق کے دلانے کے لئے وہ قیود عائد ہوتے رہے ہیں جبکہ حاکم ضلع فریقین کے قانونی حقوق کو بغیر جانے ہوئے ایسا حکم نافذ کرتے ہیں جو پبلک کے ایک طبقہ کے قانونی حقوق کی بجا آوری میں رکاوٹ ڈالے تو اس سے جائز تکلیف ہوتی ہے اور آئندہ نقص امن کی وجہ کا بین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک برا سلسلہ اس بات کا قائم ہو جاتا ہے کہ جبریہ حکام قانونی استحقاق کے خلاف جاری ہوتے ہیں۔ اور اسکا نتیجہ یہی ہوتا ہے جیسا لوگوں کے سامنے گذرتا ہے کہ سال بر سال نقص امن کسی نہ کسی شکل میں واقع ہوتے ہیں اور قانونی استحقاق دلانے کے لئے جبریہ انتظامات کئے جاتے ہیں۔ یہاں اس موضوع پر کچھ قانونی لٹریچر دستیاب ہو سکتا ہے اس کے گہرے مطالعہ کے بعد میری رائے ہے کہ حکام ضلع نے جو حکم زیر دفعہ ۱۴۴ تعزیرات ہند

قانونی حقوق کو جبر جتاتے ہوئے نافذ کئے ہیں وہ ناکام تدارک رہے اور کبھی کبھی اُن سے وہ بیماری اور بڑھ گئی ہے جسکے علاج کے لئے وہ اتنی نیک نیتی سے نافذ کئے گئے تھے۔ میری تجویز میں ایسے تمام جھگڑوں کے موقعوں پر جو کہ کسی طبقوں یا فرقوں کے درمیان عائد ہوتی ہیں حکام ضلع کو اپنی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ حکام قانونی سے معلوم کرلیں کہ حقوق قانونی کس فرقہ کے پاس ہیں اور جب اُن کو ایک مرتبہ معلوم ہو جائے تو اُسپر کاربند ہو جائیں اور ان قانونی حقوق کو حکومت کی اس تمام طاقت کے ساتھ جو ان کو میسر آئے حفاظت کریں یا ممکن ہے اس سے ایک یا دو موقعوں پر دقتوں کا سامنا ہو لیکن اس کے بعد فریقین خود بخود اپنے حقوق پر قائم ہو جائیں گے اور امن و امان اختیار کرلیں گے۔ جیسے پانی جب اسکو قدرتی حالت میں بہنے دیا جاتا ہے تو وہ اپنے اسی لیول پر خاموشی سے بہتا رہتا ہے اس موضوع پر آنریبل ہائیکورٹ کے جج صاحبان کے نظریئے دینے کے بعد میں اس تجویز کو ختم کرونگا اور ان کے ان نظریوں کو جج صاحبان پریوی کونسل نے بھی منظور کرلیے ہیں ان تمام احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ حکام ضلع اور پولیس اور مجسٹریٹ جو اپنے اختیارات کو زیر دفعہ ۱۴۴ اور ۱۳۲ تعزیرات ہند اور دفعہ ۳۰ پولیس ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۶۱ء کام میں لاتی ہیں اور انہیں دفعات قانونی کے ماتحت انکو مداخلت کا حق حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو آنریبل جسٹس بینٹ (۱۹۳۰ء الہ آباد لاجرنل ۴۲ صفحہ ۶۲۴) ان کو ہمیشہ اپنے اختیارات اُس شخص کے موافق اور اس کی حفاظت کے لئے صرف کرنے چاہئیں جسکو قانونی حق حاصل ہو اور اس شخص کے دبانے میں صرف کرنے چاہئیں جو اس حق میں مداخلت کرے لیکن سخت ضرورت کے موقعہ پر جبکہ ان کی امداد قانونی حقوق کی حفاظت کے لئے ناکافی ہو اور نقص امن ہونے کا احتمال ہو اور اچانک ایسے واقعات اُن کے سامنے پیش آجائیں تو وہ وقتی طور پر حقوق قانونی کے چلانے کو روک سکتے ہیں۔ جج صاحبان مدراس ہائیکورٹ (۵۶ مدراس ۱۴۰) کی رائے حسب ذیل ہے۔ امن عامہ کو قائم رکھنے کے لئے انکو (مجسٹریٹ) مخصوص اختیا

حاصل ہیں اور وہ اختیارات خاص موقعوں کے لئے محدود ہیں۔ اسکا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی اپنے حق قانونی کی بجاآوری میں مدد کرے۔ اور حفظ ماتقدم کے طور پر ان لوگوں کو روکے جو کہ اس کے حقوق میں مداخلت کریں۔ لیکن اگر وہ خیال کرتا ہے کہ قانونی بجاآوری سے بلوہ ہو جائیگا تو پبلک کی بھلائی کو وقتی طور پر ذاتی حق پر ترجیح دے سکتا ہے اور مجسٹریٹ کو اسکی بجاآوری روکنے کا اختیار ہے مجسٹریٹ کے اس اختیار کی مدت اتنی ہی ہوگی جتنی کی ضرورت متقاضی ہو جسکی وجہ سے اسکو ان اختیارات کے کام میں لانا پڑا تھا وہی ہائیکورٹ دوسرے مقدمہ ۶ مدراس ۲۰۳ میں حسب ذیل فیصلہ دیتی ہے جبکہ حقوق خدشہ میں ہوں تو اس شخص کو جو اسکا اہل ہے اس پوری حفاظت کا مستحق ہے جو قانون کر سکتا ہے بشرطیکہ موقعہ اجازت دے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ مجسٹریٹ کے اختیارات ان حقوق کی حفاظت میں صرف ہونے چاہئیں نہ کہ ان کے روکنے میں اور خلاف قانون باتوں کے روکنے میں صرف ہونی چاہئیں نہ کسی قانونی حقوق کیساتھ مداخلت کرنے میں۔ ایسا حکم جو ایسے موقعوں پر جاری کیا جاتا ہے اس سے اسکا اقبال ہو جاتا ہے کہ بیقاعدگی ہونیکا احتمال ہے اور یہ کہ اس موقعہ پر حکومت ضلع پوری حفاظت نہیں کر سکتی۔ جب ایسے احکام بار بار جاری ہوتے ہیں تو امن عامہ کے قیام کے متعلق احکامات کی قدر و قیمت ان لوگوں کی نظروں میں جنکے حقوق کیساتھ مداخلت کیجاتی ہے زیادہ واضح نہیں رہتی اور یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی (قانونی استحقاق) مخالفت میں اس کے مثل طاقت کا مظاہرہ جسکی وجہ سے عدالت دیوانی کے فیصلے بیکار کروئے جاتے ہیں وہ قانونی استحقاق کے منوانے کیلئے عدالت دیوانی میں چارہ جوئی کرنیکی بہ نسبت زیادہ کارگر ہوں گے جبکہ پبلک کے بڑے حصے کے دماغ میں یہ اثر پیدا ہو جاتا ہے تو حقوق کی قانونی بجاآوری کی حفاظت کرنیکے انکار سے اور زیادہ سخت خطروں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ایسے آدمی جنکو حکام کی اطاعت میں کراہت ہوتی ہے ہر گروہ میں پائے جاتے ہیں

اور ایسے آدمی بھی جو عام طور سے حکام کے احکام کی فرمانبرداری کرنے کے شائق ہوتے ایسے وقت بھی زیادتی کی وجہ سے اور ایسے جلوسوں کی شاہراہوں سے جن سے جلوسیوں کی کامیابی ہو جاتی ہے ان کے دماغ بھی دوسری طرف پھر جاتے ہیں جج صاحبان پریوی کونسل نے اسکو منظور کرلیا ہے کہ یہ قانون کا صحیح اظہار ہے اور ہم کو جج صاحبان سے زیادہ بہتر الفاظ پولیس اور مجسٹریٹ کے اختیارات کے اظہار کے لیے نہیں دستیاب ہوتے۔ مدعیان کو یقیناً ان حقوق کا جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں حاصل کرنیکا حق ہے لیکن اس قانونی حق پر عمل کرنے میں ایسے موقعے پیش آسکتے ہیں جہاں پر پولیس اور مجسٹریٹ نقص امن کو روکنے کے لیے یا شارع عام کے روکے جانے کیخلاف ان حقوق کی ادائیگی پر پابندیاں عائد کرسکتے ہیں انکو یہ حق استحقاقاً حاصل ہے اس وجہ سے ڈگری دینے میں ایک شرط کا اضافہ کرنا پڑتا ہے اس وجہ سے میں حسب ذیل ڈگری مدعیان کے موافق دیتا ہوں اور وہ آنریبل سلیمان اور آنریبل جسٹس ینگ کی اس مقدمہ کی ڈگری کے خلاصہ کے مطابق ہے جو کہ ۱۹۳۱ء الہ آباد لا جرنل ۴۸ ۳۵ میں شائع ہوا تھا۔ لہذا حکم ہوا کہ مدعیان مقدمہ انفرادی حیثیت سے اور فرقہ شیعیان جونپور کے افراد کی حیثیت سے اپنے جلوس جن کا کہ انھوں نے عرضی دعویٰ دادرسی الف میں حق مانگا ہے۔ شہادت امام حسین کی یادگار میں تاشہ اور طبل اور نوحہ ماتم کے ساتھ ان سات آدمیوں پر لعنت کہتے ہوئے جن کے نام عرضی نالش میں درج ہیں۔ جونپور کی ہر گلی اور شاہراہ عام پر قاضی کی گلی میں جس کا اظہار دادرسی ب میں کیا گیا ہے۔ لے جا سکتے ہیں۔ مدعیان کے حقوق کا استقرار مجسٹریٹ یا پولیس کے ہر اس حکم اور ہدایت کے ماتحت ہے جو کہ نقص امن عامہ شاہراہ عام کی رکاوٹ یا دوسرے معاملات پر جو دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری میں یا دوسرے قانونی دفعات میں مذکور ہیں یا ٹریفک کے ریگولیشن کے بارے میں نافذ ہوں۔ مدعیان اپنا خرچہ مدعا علیہم سے پائیں گے۔ دستخط پنڈت ٹھاکر پرشاد دوبے

۱۰ جولائی ۱۹۳۷ء

